ماہنامہ
لاہور
نعت
مولانا خیرالدین
اور اُن کی
نعت گوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
باقاعدہ اشاعت کا 18 واں سال
راجا غلام محمدؒ (صدر ادارہ ابطالِ باطل) کی یاد میں جاری جریدہ
ماہنامہ
نعت
لاہور
جلد 18
فروری 2005
شمارہ 2
مولانا خیر الدین اور اُن کی نعت گوئی
مشیر خصوصی:
ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ
سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل آف پاکستان
ایڈیٹر: راجا رشید محمود
ڈپٹی ایڈیٹرز: شہناز کوثر ۔ اظہر محمود
مینیجر: راجا اختر محمود
پبلشر:
راجا رشید محمود
صدر
ایوانِ نعت
رجسٹرڈ
قیمت:
15 روپے (عام شمارہ)،
60 روپے (خصوصی شمارہ)
200 روپے (زرِ سالانہ)
عرب ممالک کے لیے 100 ریال
پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر، جیم پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ/ڈیزائننگ: مدنی گرافکس، فون: 7230001
بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید بک بائنڈنگ ہاؤس، 38 اردو بازار لاہور
فون: 7463684
اظہر منزل، چوک گلی نمبر 5/10، نیو شالامار کالونی ملتان روڈ لاہور (پاکستان)
پوسٹ کوڈ: 54500

مولانا خیر الدین

اور اُن کی

نعت گوئی

تحقیق و تحریر:
راجا رشید محمود

اخفائے حق کے مخالفین
کے نام

مولانا خیر الدین

اور اُن کی

نعت گوئی

تحقیق و تحریر:

راجا رشید محمود

اخفائے حق کے مخالفین

کے نام

فہرست

☆☆☆☆☆

مولانا خیرالدین اوران کی نعت گوئی

مولانا خیرالدین (خیوریؔ) دہلویؒ کا خاندان

مولانا خیرالدین دہلوی کے صاحبزادے ابوالکلام آزاد نے تذکرہ (حصہ اول) کے آغاز میں بیان کیا: ''میرے خاندان میں تین مختلف خاندان جمع ہوئے ہیں اور تینوں خاندان ہندوستان وحجاز کے ممتاز بیوتِ علم وفضل اور اصحابِ ارشاد وہدایت میں سے ہیں۔ دنیوی عزت و جاہ کی اگرچہ ان میں سے کسی نے خواہش نہیں کی لیکن دنیا نے اپنی عزتوں اور شوکتوں کو ہمیشہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اور کبھی انھوں نے قبول کیا اور کبھی ردّ کر دیا۔'' (۱)

ان تینوں خاندانوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مولانا (آزاد) کے دادا شیخ محمد ہادی تھے جن کا تعلق دہلی کے ایک مشہور خاندانِ علم و فضلیت سے تھا

۲۔ مولانا (آزاد) کی والدہ ماجدہ حضرت شیخ محمد بن ظاہر وتری کی بھانجی تھیں۔ جو گزشتہ دور کے اکثر علماء حجاز کے استاذِ حدیث اور شیخ عبداللہ سراج کے بعد مکہ معظمہ کے آخری محدث تھے۔ ان کے بعد اس درجے کا کوئی شیخ حدیث حرمین میں نہیں ہوا۔

۳۔ مولانا (آزاد) کے والد مرحوم کے نانا رکن المدرسین مولانا منور الدین اپنے عہد کے مشاہیر اساتذۂ علم ودرس اور اصحابِ طریقت وسلوک میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علومِ ظاہرہ وباطن کی جامعیت عطا کی تھی۔ ان کا شمار شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اجلّہ تلامذہ میں سے تھا۔ (۲)

مولانا خیرالدین کے والد کا نام محمد ہادی تھا جو دہلی مرحوم کے مشہور خاندانِ علم وفضیلت سے تعلق رکھتے تھے۔ جس میں بیک وقت پانچ پانچ علماء درس وافتا واصحابِ سلوک وطریقت پیدا ہوئے ہیں۔ (۳)

پیدائش

خیرالدین دہلوی ۱۸۳۱ع/۱۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ (۴) یکم جنوری ۱۸۳۱ء ۱۷ رجب ۱۲۴۶ھ کو تھی۔ ۱۲۴۷ھ جون میں شروع ہوا۔ (۵) اس لیے طے ہوا کہ وہ ۱۸۳۱ کی آخری ششماہی میں اس دنیا میں آئے۔

ابتدائی حالات

مولانا خیرالدین تین یا چار سال کے تھے کہ ان کے والد شیخ محمد ہادی کا انتقال ہو گیا جنھیں مولانا منورالدین مرحوم نے خانہ داماد بنالیا تھا۔ گویا شیخ محمد ہادی کو اپنی پوری وراثت سپرد کر دینے کا عزم کرلیا تھا۔ کچھ بعد مولانا خیرالدین کی والدہ ماجدہ نے بھی قضا کی اور کم سن نواسے کی تعلیم و تربیت کے لیے نانا کی آغوش شفقت کے سوا کوئی مقام نہ رہا۔ مولانا منورالدین کے تعلقات وقت کے مشہور علماءِ کرام سے بہت گہرے تھے۔ اس وجہ سے ان کے نواسے کو ہر چشمۂ فیض سے دل خواہ اخذ و استفادہ کا موقع ملا ہوگا۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ مولانا خیرالدین نے اپنے نانا کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ مرحوم سے بھی تحصیلِ علوم کی۔ جنھیں علوم و فنون کے علاوہ عربی و فارسی ادب میں فضیلت کا مرتبہ حاصل تھا کہ ان کے بعد پھر کوئی ویسا عالم نہ ہوا۔ معقولات کی کتابیں دوسرے اساتذہ کے علاوہ مولانا رشیدالدین (صاحب رشیدیہ) سے بھی پڑھیں اور حدیث کی تکمیل حجاز پہنچ کر شاہ محمد یعقوب دہلوی نیز دیگر علماءِ حجاز سے کی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں مولانا خیرالدین تکمیلِ علوم سے فارغ ہو چکے تھے تو دوسرے علوم کے علاوہ طب بھی پڑھی بلکہ ڈاکٹری سے بھی آگاہی حاصل کی۔ (۶)

عبدالرزاق ملیح آبادی کی مرتبہ کتاب میں مذکور ہے کہ ان کے اساتذہ میں مولانا فضل امام خیرآبادی بھی تھے۔ لیکن غلام رسول مہر نے قرار دیا ہے کہ وہ تو خیرالدین کی ولادت سے دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ممکن ہے ابوالکلام نے مولانا فضلِ حق خیرآبادی کا نام لیا ہو۔

مولانا خیرالدین نے بعض مردانہ ورزشیں اور تفریحی فنون بھی سیکھے۔ مثلاً پنجہ کشی میر پنجہ کش سے، تیراکی میر مچھلی سے، تیراندازی قلعہ معلّی ہی کے ایک استاد سے۔ اسی طرح کشتی لڑنا سیکھا۔ تب حافظ امام بخش خطِ نسخ کے امام تھے، ان سے خوشنویسی سیکھی۔ نشانہ اندازی، شمشیر زنی اور

لکڑی کے فنون بھی سیکھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری وقت تک ان کا بدن کسرتی رہا۔ (۷)

نامور فرزند کی طرف سے حالاتِ والد سے اغماض

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے پی ایچ ڈی کے لیے تحریر کردہ اپنے مقالے میں لکھا: ''حیرت ہے کہ ابوالکلام آزاد جن پر برِصغیر پاک و ہند میں سیکڑوں نہیں، ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور جن کی زندگی کے ہر پہلو یعنی سیاسی، ادبی اور دینی پر بیسیوں لوگوں نے قلم اٹھایا۔ ان کے والدِ گرامی کے تذکرے سے تمام کتب خالی ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا آزاد نے اپنی خاندانی حیثیت اور منزلت پر ''تذکرہ'' جیسی قابلِ قدر کتاب تحریر کرتے وقت بھی اپنے والد کے حالات سے پردہ نہیں اٹھایا۔ حیرت اسی پر نہیں کہ والد کو نظرانداز کر دیا، بلکہ اس پر ہے کہ ایسے والد کو جس کی علمی اور دینی خدمات کا انھیں خود بھی اعتراف تھا، یہ ارادۂ عدم توجہی قاری کو پریشان کرتی ہے۔'' (۸)

ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے اس رویے کو آزاد کی ''ارادۂ عدم توجہی'' کہا ہے۔ راقم الحروف نے اس بارے میں لکھا تھا: ''شاید احباب کے علم میں نہ ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک بیٹے مرزا سلطان احمد قادیانی جو ریاست بہاولپور میں اہم عہدے پر رہے، اپنے باپ کے دعوئ نبوت کے قائل نہ تھے۔ اسی لیے باپ نے کبھی ان کا ذکر نہ کیا۔ جب باپ یا بیٹا مختلف نظریہ رکھتا ہو تو اسی طرح اسے بھلا دیا جاتا ہے۔'' (۹)

حجاز کو ہجرت

شورش کاشمیری نے لکھا: مولانا منورالدین نے ہجرت کی تو ان کے ہمراہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں کوئی دس برس گزار کے شادی کی''۔ (۱۰) اس بیان میں ایک تو یہ بات غلط ہے کہ مولانا منورالدین بھی حجاز پہنچے تھے، دوسرے، شادی بھی مکہ معظمہ کے بجائے مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ''جب مولانا منورالدین نے بہ نیتِ ہجرت حرمین کا سفر اختیار کیا تو یہ بھی ساتھ تھے۔ مولانا منورالدین کے بمبئی میں ۱۸۵۸/۱۸۵۹ع میں انتقال کر جانے کے بعد حجاز گئے۔'' (۱۱) پروفیسر سیّد شفقت رضوی مزید تفصیلات بیان کرتے ہیں: ''اثنائے سفر بھوپال میں قیام کیا۔ والیۂ ریاست نواب سکندر جہاں بیگم کو انھیں (؟) اس درجہ عقیدت ہو گئی کہ انھوں نے بہ اصرار روکے رکھا۔ وہاں انھوں نے تقریباً ایک سال گزارا۔ اسی (اس) دوران میں بھوپال کے

مسلمان مولانا منورالدین اور مولانا خیرالدین سے فیض پانے اور ہدایت لینے کے لیے آتے رہے۔ اس طرح خواص اور عوام میں مریدوں اور عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ قائم ہوگیا۔ ایک سال بعد وہ بمبئی کے لیے روانہ ہوئے جہاں مولانا منورالدین بیمار ہوگئے۔ بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ انھیں دوسال وہاں قیام کرنا پڑا۔ بمبئی اور اطراف کے علاقوں کے ہزاروں مسلمان ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ مولانا منورالدین نے بمبئی میں انتقال کیا۔ چونکہ مولانا خیرالدین ہجرت کے عزم سے نکلے تھے اس لیے وہ مکہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ (۱۲)

عبداللہ بٹ نے بھوپال کے بجائے انھیں رامپور پہنچایا۔ "وہاں (دہلی) سے سیدھے رامپور پہنچے۔ نواب یوسف علی خان والئی رامپور آپ کا مرید تھا۔ اس کی وساطت سے آپ بمبئی تشریف لائے۔" (۱۳)

خود ابوالکلام آزاد نے محمد یوسف جعفری رنجور کے نام اپنے مکتوب مرقومہ ۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء میں لکھا: "میرے والد خیرالدین دہلی کی قدیم سوسائٹی کی یادگار ہیں۔ جن کا خاندان بغداد سے پنجاب آیا اور پنجاب سے شاہ عالم کے زمانے میں دہلی پہنچا۔ غدر (جنگِ آزادی۔ محمود) سے کچھ پہلے میرے والد بمبئی آئے اور بمبئی سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ (۱۴)

ابوالکلام کہتے ہیں کہ ان کے والد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے کچھ پہلے دہلی چھوڑ دی تھی۔ سید شفقت رضوی کے نزدیک بھی انھوں نے قریباً ایک سال بھوپال میں اور دوسال بمبئی میں گزارے اور پھر بقول غلام رسول مہر ۱۸۵۸/۱۸۵۹ء میں اور بقول ڈاکٹر ابوسلمان ۱۸۵۹/۱۸۶۰ میں حجاز گئے۔ اس سے عبداللہ بٹ کا یہ کہنا کہ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد دہلی کی تاخت وتاراج سے دلبرداشتہ ہوکر انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور دہلی چھوڑی تھی (۱۵) غلط قرار پاتا ہے۔ آصف علی نے بھی یہی لکھا تھا کہ "آپ کے والد کو بھی ۱۸۵۷ء کے غدر (جنگ آزادی۔ محمود) کے بعد ہندوستان چھوڑنا پڑا۔" (۱۶)

خانہ آبادی

غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ یہاں (حجاز میں) ان کی اس زمانے کے دو مشہور عالموں سے ملاقات ہوئی۔ شیخ عبداللہ سراج مکے میں اور شیخ محمد ظاہر وتری مدینے میں حدیث وفقہ کے

درس وتدریس میں مسلّم الثبوت استاذ مانے جاتے تھے۔ مولانا خیرالدین ان اصحاب کی خدمت میں حاضری دینے لگے اور انھوں نے ان سے بہت استفادہ کیا۔ حجاز پہنچنے کے تقریباً دس سال بعد یعنی ۱۸۷۰/۱۸۷۱ء میں وہیں مدینے میں شادی کی۔ یہ خاتون جن کا اسم گرامی عالیہ (۱۷) تھا۔ ان کے استاذ شیخ محمد بن ظاہر وتری کی بھانجی تھیں۔" (۱۸) مہر صاحب کا یہ بیان غلط ہے۔ مولانا کی اہلیہ کا نام عالیہ نہیں زینب تھا۔ زینب کے خاندان کے بارے میں مالک رام لکھتے ہیں کہ "مدینہ میں پوچھ گچھ سے پتا چلا کہ ان کا خاندان دراصل مراکش کا رہنے والا اور مدتوں سے علم و ارشاد کا مرکز تھا۔ ان کے بزرگ ہجرت کر کے مدینے میں آگئے تھے۔ یہ خود یہیں پیدا ہوئی تھیں۔" (۱۹)

"انڈیا ونس فریڈم" میں ان کو شیخ محمد بن ظاہر کی صاحبزادی لکھا ہے، جو درست نہیں۔

مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت

کتاب "ایک علمی خاندان" میں ہے۔ "شادی کے بعد انھیں اپنا ذاتی مکان بنوانے کا خیال آیا۔ لیکن وہاں کے قوانین کے تحت کوئی غیر ملکی ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے وہاں کی شہریت اختیار کرلی اور شیخ عبداللہ سراج کی زمین کا ایک قطعہ خرید کر مکان تعمیر کروایا۔ یہ مکے کے محلے قدوہ میں باب السلام کے متصل تھا۔" (۲۰)

حرم مکہ میں وعظ

شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔ "کچھ عرصہ شیخ حرم کی منظوری سے حرم میں درس دیتے رہے۔ ان سے پہلے کسی ہندوستانی عالم کو یہ شرف حاصل نہ ہوا تھا۔" (۲۱) پروفیسر شفقت رضوی نے تحریر کیا۔ "مولانا خیرالدین نے اسناد کی تجدید اور حکومت کی توثیق کے بعد حرم شریف میں درس وتدریس کا آغاز کیا اور کچھ عرصے بعد وعظ بھی دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی حجاز میں ان کے سلسلۂ طریقت کا بھی آغاز ہوگیا اور لوگوں نے بڑی تعداد میں بیعت کی۔" (۲۲)

تصانیف

عبداللہ بٹ نے لکھا۔ "مولانا خیرالدین اپنی خاندانی روایات سے شیخ اور حقیقی علمبردار تھے۔ وہ ایک جید عالم اور صوفی تھے اور کئی مشہور کتابوں کے مصنف تھے۔" (۲۳) آصف علی کی

تحریر میں ہے ''ان کی اکثر کتابیں جو مصر میں چھپی ہیں، دینی مباحثات میں قابلِ قدر اضافہ کا موجب سمجھی جاتی ہیں۔'' (۲۴)

غلام رسول مہر، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی اور پروفیسر سیّد شفقت رضوی نے ان کی تصانیف کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ غلام رسول مہر کی آٹھ کتابوں کی فہرست میں ''عقائد خیوریہ'' کا ذکر نہیں جبکہ مولانا خیرالدین نے خود جو فہرست "اسباب السرور لاصحاب الخیور" میں شائع کی اس میں اس کتاب کا سب سے پہلے ذکر ہے۔ مہر نے "نجم المبین لرجم الشیاطین" (عشر مجلّات) کا نام شاملِ فہرست کیا ہے، اس کا نام شفقت رضوی کی فہرست میں نہیں ہے۔ مجموعی طور پر اُن کی نو تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کتاب کے بارے میں یہ معلومات نہیں ہیں کہ وہ مصر میں چھپی تھی۔ یا تو آصف علی کی بات کی کوئی تحقیقی بنیاد نہیں ہے یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ان کی انھی کتابوں کے کچھ ایڈیشن مصر سے بھی چھپے ہوں۔

۱۔ **عقائد خیوریہ:** خود مصنف نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا حجم پچاس جزو ہے اور اس میں حضور رسولِ اکرم ﷺ کے نسب کی طہارت کا تذکرہ ہے۔ قیمت چھے روپے تھی۔

۲۔ **حفظ المتین عن لصوص الدین:** (دربارۂ اطلاق لفظ خدا بر غیرِ خدا و ردِّ شبہاتِ منکرین) قیمت ایک روپیہ۔ یہ کتاب ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کو دستیاب ہوئی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۳۱۵ھ میں ہادی المطابع کلکتہ سے چھپی۔ صفحات ۹۴ ہیں۔

۳۔ **خیر الأمصار مدینة الانصار:** (در افضیلت مدینۂ منورہ زاد اللہ عظمتہا) ہادی المطابع، کلکتہ۔ ۱۳۱۵ھ۔ کل صفحات ۲۷۔ قیمت ۱۲ آنے

۴۔ **الستة الضروریه فی المعارف الخیوریه:** (در بیان" من عرف نفسه فقد عرف ربه") مطبع معدن الرمز مسمّٰی بالکنز، کلکتہ۔ ۱۳۱۵ھ۔ کل صفحات ۴۴۔ قیمت ۸ آنے۔ (۲۴۔الف)

۵۔ **الاورادالخیوریه سلالة الادعیة الماثوریه:** قیمت ۸ آنے

۶۔ **اسباب السرور لا صحاب الخیور:** مطبوعہ مطبع ہادی، بمبئی۔ ۱۳۱۸ھ۔ قیمت ایک روپیہ ۴ آنے

۷،۸۔ **درج الدرر البهیة فی ایمان الآباء و الامهات المصطفویه:** مطبع توفیقی کلکتہ۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی لکھتے ہیں۔ ''سن تالیف درج نہیں ہے۔ اس میں دراصل دو کتابیں ہیں۔ ایک "البصائر العشرة الجلیة لناظری الجزء الاوّل من القصائد الخیوریه." اسے "درج الدررا البهیة" کی پہلی جلد کہا جا سکتا ہے۔ یہ ۱۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری اصل کتاب یعنی "درج الدرر البهیة فی ایمان الآباء والامهات المصطفویة." اس کے صفحات کی ترتیب میں تکرار ہے۔ ایک ایک صفحہ ''مزید'' کے لفظ کے ساتھ دو دو مرتبہ درج ہے۔ کل صفحات ۴۹۲ ہیں مگر ۱۱۲ مزید ہیں۔ اس طرح کل ۶۰۷ صفحات کی کتاب ہے۔'' (برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۱، ۸۶۲)

جزو اوّل ۱۷۲ صفحات کی کتاب کو سیّد شفقت رضوی نے الگ کتاب کے طور پر درج کیا ہے۔ مگر نام میں ''القصائد'' کے بجائے ''العقائد'' لکھا ہے۔ انھوں نے دونوں کتابوں کا سنِ اشاعت ۱۳۱۲ھ درج کیا ہے۔

۹۔ **نجم المبین لرجم الشیاطین (عشر مجلدات):** یہ کتاب غلام رسول مہر کی مرتبہ فہرست میں پہلے نمبر پر درج ہے۔ لیکن انھوں نے اس کتاب کی تفصیلات و جزئیات درج نہیں کی ہیں۔ البتہ شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ ترکی کے قیام کے دوران میں مولانا خیرالدین نے وہابیت کے رد میں دس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ لیکن اس کی دو جلدیں ہی چھپیں (ابوالکلام آزاد، ص ۱۶) ہو سکتا ہے، یہی پوری کتاب یا یہ دو جلدیں مصر سے بھی شائع ہوئی ہوں۔

درس و تدریس

شفقت رضوی نے لکھا ہے کہ مولانا خیرالدین نے حرمِ مکہ میں وعظ سے پہلے درس و تدریس کا آغاز کیا تھا (۲۵) میں سمجھتا ہوں جو شخص مزاجاً مدرس ہو وہ اپنی تدریسی سرگرمیاں اپنے گھر سے شروع کرتا ہے اور جو شخص زیادہ اچھا مدرس ہو وہی بچوں کو پڑھا سکتا ہے۔ جبکہ بچے بھی خود اس کے اپنے ہوں۔ شفقت رضوی لکھتے ہیں: ''مولانا خیرالدین اپنے دونوں بیٹوں (ابوالنصر غلام یٰسین آہؔ دہلوی اور فیروز بخت ابوالکلام آزاد) اور دونوں بیٹیوں (آرزوؔ بیگم اور آبروؔ بیگم) کو

ساتھ ساتھ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ہندوستان آنے کے بعد بھی جاری رہا۔ مولانا خیر الدین نے خلاصہ ہندی اور مصدر فیوض پڑھائے۔ خلاصہ میں نماز' روزہ کے مسائل ہیں اور مصدر فیوض فارسی مصادر و قواعد کی کتاب ہے۔ عربی میں پہلے اجرومیہ پڑھی۔ پھر میزان و منشعب' اس کے بعد نحو اور صرف اور کافیہ' فارسی میں گلستان و بوستاں ایک ساتھ شروع ہوئیں۔ ساتھ ہی آمدنامہ کے مصادر حفظ کرائے گئے۔ اسی طرح مائۃ عامل منظوم بھی حفظ کرایا گیا۔ منطق میں شرح تہذیب' فقہ میں کنز الدقائق' ان کے علاوہ شرح وقایہ' ہدایہ آخرین' مشکوٰۃ اور جلالین کے درس دیے۔ اس طرح بڑی حد تک دینیات اور عربی و فارسی کی درسیات کی تکمیل ہو چکی تھی۔ (مولانا خیر الدین) خود بھی علم طب سے واقف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے بھی اس میں مہارت حاصل کریں۔ اس لیے علم طب کی بھی باقاعدہ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ مدیدی خود پڑھائی .... اردو کی جانب تھوڑی بہت توجہ اس طرح دی گئی کہ (آزاد کے) والد مرحوم ہاتھ سے مرکب حروف لکھ کر دے دیتے تھے اور بھائی بہن ان کی مشق کیا کرتے .... ان کے پڑھانے کا طریقہ ایسا تھا کہ جو کچھ پڑھتے' حافظہ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا۔" (۲۶) "دوران تعلیم والد کی سخت نگرانی رہتی تھی .... ان کا طریق تعلیم ایسا تھا کہ اسی سے گہرا ذوق مطالعہ پیدا ہو گیا۔" (۲۷)

حرم کعبہ میں ان کے درس کے بارے میں شورش کاشمیری کہتے ہیں: "کچھ عرصہ شیخ حرم کی منظوری سے حرم میں درس دیتے رہے۔ ان سے پہلے کسی ہندوستانی عالم کو یہ شرف حاصل نہ ہوا تھا۔ (۲۸)

تعلیم کے متعلق ان کا نظریہ واضح تھا کہ وہ "باوجود انتہائی مذہبی خیالات اور قدیم رجحانات کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں لڑکیوں کو بھی زیور تعلیم سے لڑکوں کی طرح آراستہ ہونا چاہیے۔" (۲۹)

علمیت

"مولانا خیر الدین اپنی خاندانی روایات کے صحیح اور حقیقی علمبردار تھے۔ وہ ایک جید عالم اور صوفی تھے۔" .... "مولانا خیر الدین کے علم و فضل اور مجد و بزرگی کا شہرہ ہندوستان کی چار دیواری سے نکل کر ممالک اسلامیہ میں پہنچ چکا تھا۔" (۳۰)

"سراج الاخبار" میں ۲۶ جون ۱۸۹۴ کو ان کے متعلق جو خبر چھپی اس میں کہا گیا:
"کلکتہ میں ایک شخص مولوی خیر الدین صاحب جو بڑے عالم' فاضل ولی اللہ جن کے ہزاروں مرید ہیں............" (۳۱)

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی رائے میں "مولانا اپنے دور کے عالم بے بدل اور فاضل بے مثل تھے۔ خدمت اسلام ان کی زندگی کا مشن تھا اور تمام عمر وہ اس فریضے کی بجا آوری میں ان تھک کوشش کرتے رہے۔" (۳۲) شفقت رضوی کے بقول "مولانا خیر الدین بڑے خوش نصیب انسان تھے کہ عزت و نیک نامی کے ساتھ خلق خدا کی خدمت میں زندگی بسر کی۔ ان کے تبحر علمی اور فیوض و برکات کا چشمہ برصغیر سے لے کر جزیرۃ العرب' عراق' شام تک جاری رہا۔" (۳۳)

ابوالکلام آزاد اور صدر یار جنگ (حبیب الرحمن خاں شروانی) کے خطوط محمد عبدالشاہد خاں شروانی (علی گڑھ) کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئے۔ ان میں اپنے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کے خط میں ابوالکلام آزاد نے علامہ شہاب الدین آلوسی مفتئ بغداد' مفسر "تفسیر روح المعانی" کے خاندان سے اپنے خاندان کے رشتے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا خیر الدین کی علمیت کا اعتراف و اعلان یوں کیا:

"ان کے خاندان سے میرے خاندان کا پہلا رشتہ کچھ عجب طرح کے حالات میں قائم ہوا تھا۔ والد مرحوم جب ۱۲۹۳ھ میں عراق گئے تھے تو سید عبدالرحمن نقیب مرحوم کے والد سید علی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے۔ ان ہی کے یہاں ٹھہرے۔ شیخ آلوسی کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر ان کے مصنفات کے قلمی نسخے سید کے خاندان میں متداول تھے اور بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سید مرحوم نے شیخ کی تفسیر "روح المعانی" بڑے فخر و مباہات کے ساتھ دکھائی کہ ہمارے شیخ کی تصنیف ہے۔ شیخ آلوسی اگرچہ بظاہر شاہراہ عام سے الگ نہیں ہوئے تھے کہ عہدۂ افتاء اور رجوع عام کا علاقہ دامن گیر تھا۔ مگر دراصل سلفی المشرب تھے اور تقلید کی بندشیں بہت کچھ ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ تفسیر میں کہیں کہیں اس کی جھلک صاف نظر آ جاتی ہے۔ والد مرحوم حنفیت اور اشعریت میں بڑے ہی شدید تھے۔ ان کی نظر اس معاملہ میں کب چوکنے والی تھی۔ ایک دن عین مجلس دیوان میں کہ شیخ نعمان آلوسی زادہ (جنھوں نے جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین لکھی اور نواب صدیق حسن خاں نے مصر میں چھپوائی تھی) بھی موجود تھے۔ سید علی مرحوم نے پوچھا'

آپ نے شیخ کی تفسیر کو کیسے پایا؟ والد مرحوم نے بلا تامل کہا۔ ''خوب ہے مگر کہیں کہیں وہابیت اور اعتزال کی بو مجھے محسوس ہوئی۔'' یہ بے پردہ ایراد تمام مجلس پر گراں گزرا۔ خصوصاً شیخ نعمان پر اور صحبت نے مجلسِ مباحثہ کا رنگ اختیار کرلیا۔ شیخ آلوسی نے حیاتِ خضر سے انکار کیا ہے۔ والد مرحوم نے سب سے پہلے اس کا تعقب کیا۔ پھر تفسیر کے تمام ایسے مقامات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ایک رسالہ تعقبات میں تصنیف کر کے شیخ نعمان کو بھیجا۔ شیخ نے اس کے جواب میں ایک مکتوب لکھا۔ والد مرحوم نے جواب الجواب لکھ کر اس مکتوب کو بھی اپنے جواب کے رسالہ کے آخر میں شامل کر دیا۔''

''مرحوم سیّد عبدالرحمٰن نقیب نے مجھے وہ اطاق دکھایا تھا جہاں والد مرحوم بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ نیز حرم کا وہ حصہ جہاں والدہ مرحومہ ٹھہری تھیں۔ والد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصل رسالہ بھی ''روح المعانی'' کے قلمی نسخے کے ساتھ کتب خانہ میں موجود تھا۔''

سیّد مرحوم کے تفرس نے پہلی ہی ملاقات میں تاڑ لیا تھا کہ میرے خیالات کی رفتار دوسری ہے۔ مجھے دوسرے دن شیخ سے ملایا تو یوں تقریب کی کہ تمھیں شیخ خیرالدین ہندی یاد ہیں۔ جنھوں نے شیخ کبیر (یعنی شیخ آلوسی) کی تفسیر پر تعقبات کیے تھے۔ یہ ان ہی کے فرزند ہیں۔ لیکن ان سے وہی بو آئی جوان کے شیخ نے تمھارے شیخ کی تفسیر میں سونگھی تھی .... والد مرحوم نے کئی بار عود کا عطر شیخ مرحوم کو بھیجا تھا۔ انھیں یہ بات یاد تھی۔'' (۳۴)

اتقا

ابوالکلام آزاد نے اپنے ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے مکتوب بنام صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شروانی میں لکھا۔ ''والد مرحوم کی سحر خیزی نے مجھے بھی بچپن سے اس کا عادی بنا دیا ہے۔'' (۳۵) علامہ اقبال نے بھی اپنی سحر خیزی پر افتخار کیا:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی (۳۶)

سیّد شفقت رضوی کی کتاب میں ہے۔ جب تک (آزاد کے) والد زندہ رہے، صبح چار بجے سب کو جگا دیتے اور مجال نہ تھی کہ پہلی آواز پر کوئی نہ اٹھے۔ ''جاؤ' وضو کرو!'' کی آواز کے ساتھ

ہی سب جاگ جاتے اور بستر سے باہر نکل آتے۔ عرصہ تک نماز والد کے پیچھے گھر پڑھتے رہے۔ جب ذرا عمر زیادہ ہوئی تو مسجد میں ادائی فرض کا حکم ہوا۔ صبح اور ظہر والد کے پیچھے پڑھتے' عصر اور مغرب مسجد میں۔'' (۳۷)

کسی نے ایک گمنام خط مولانا آزاد کو سیاسی مخالفت کی بنا پر لکھا اور غصے میں کئی گالیاں دیں جن میں ایک ''اولادِ ابلیس'' بھی تھی۔ اس پر مولانا نے جواباً لکھا: ''آپ نے ''اولادِ ابلیس'' بھی ایک جگہ لکھا ہے' البتہ یہ سچ نہیں ہے کیونکہ میرا مرحوم باپ تو ایک متقی اور نیک اعمال انسان تھا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا اور دنیا والوں کی عظمت و جبروت کو اس کی (کے) قدموں پر گرایا مگر اس نے کبھی ان پر غلط انداز نظر بھی نہ ڈالی اور ہمیشہ "ان عبادی لیس لک علیھم بسلطان" کے نہاں خانۂ محفوظ میں زندگی بسر کی۔'' (۳۸)

ترکی میں قیام

شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ ''سلطان عبدالحمید کے زمانے میں مولانا خیرالدین قسطنطنیہ گئے وہاں دو سال رہے۔'' عبدالمطلب شریفِ مکہ سے سلطان ناراض ہوا۔ اس نے حامد پاشا کو گورنر بنا کر بھیجا۔ شریفِ مکہ نے مکہ و طائف کے بدوؤں سے سلطان کے خلاف بغاوت کرادی۔ بغاوت تو فرو کردی گئی لیکن عبدالمطلب شریفِ مکہ کو بہانے سے گرفتار کیا گیا۔ عبدالمطلب کے بعد اس کا بھتیجا غالب شریف مقرر ہوا۔ سلطان نے غالب کے خلاف بعض شکوک کی تصدیق یا تردید میں مولانا خیرالدین کی مدد چاہی۔ اور ان کی مساعی سے عبدالمطلب کی نظر بندی موقوف ہوئی اور تعلقات بگڑنے سے محفوظ ہوگئے۔''

شورش نے لکھا ہے کہ مولانا خیرالدین نے ترکی میں رہ کر ترکی زبان سیکھی۔ پھر اس کی صرف و نحو عربی میں لکھی۔ عربی' فارسی' ترکی کا ایک لغت تیار کرنا چاہا لیکن قاف تک پہنچ کر موقوف ہوگیا اور توفیہ چلے گئے .... ''مولانا خیرالدین نے ہندوستان کی اس (جس کی تفصیلات شورش پہلے بیان کر چکے) وہابی جماعت کے خلاف شریفِ مکہ اور قسطنطنیہ کے عوام کو تیار کیا۔ مولانا آزاد کے الفاظ میں فتنہ اٹھایا۔ نتیجتاً اس جماعت کے ۳۱ آدمی گرفتار کر لیے گئے .... سلطان ترکی نے خیرالدین کو ''تمغۂ حمیدی'' دیا۔ (۳۹)

غلام رسول مہر نے ترکی کے قیام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''۱۸۷۲ء میں ترکی کا سفر کیا۔ سلطان عبدالمجید سے ملاقات ہوئی۔ قسطنطنیہ میں دو سال تک قیام رہا۔ طوالتِ قیام کا سبب حجاز میں شریف عبدالمطلب کی بغاوت بھی تھی۔ یہ زمانہ انھوں نے کتب خانوں کی سیر' کتابوں کی نقل اور علماء کی صحبت میں صرف کیا۔ سب سے بڑی بیٹی زینب یہیں پیدا ہوئی۔'' (۴۰)

نجانے مہر نے بڑی بیٹی کا نام ''زینب'' کیسے رکھ لیا۔ زینب تو مولانا کی بیگم اور بچوں' بچیوں کی والدہ کا نام تھا۔ خود ابوالکلام کا ۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء کا خط بنام محمد یوسف جعفری رنجور موجود ہے۔ جس میں انھوں نے اپنی اور اپنے بھائی بہنوں کا سنِ پیدائش تحریر کیا ہے۔ خدیجہ (۱۲۹۱ھ)۔ فاطمہ (۱۲۹۷ھ)۔ حنیفہ (۱۲۹۹ھ)۔ غلام یاسین (۱۳۰۱ھ) محی الدین (۱۳۰۳ھ)....... ''اس سے تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ سب سے بڑی اولاد خدیجہ ہے۔'' (۴۱)

پھر غلام رسول مہر نے ترکی کے سلطان کا نام عبدالمجید لکھا ہے۔ شفقت رضوی نے بھی یہی نام لکھا ہے (۴۲) لیکن سلطان عبدالمجید جنھوں نے حرمین شریفین کی توسیع میں گرانقدر خدمات انجام دیں اور حرمِ نبوی ﷺ میں اب بھی جن کے نام کا دروازہ ''بابِ مجیدی'' موجود ہے' وہ تو ۷ اذی الحجہ ۱۲۷۷ھ/ ۲۵ جون ۱۸۶۱ء کو فوت ہو گئے تھے۔ (۴۳) سلطان عبدالمجید خان نے ۱۲۷۶ھ میں کعبۃ اللہ کی چھت پر ۵۰ رطل سونے کا میزابِ رحمت لگوایا تھا (۴۴) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے مسجدِ نبوی ﷺ کی توسیع و مرمت کے سلسلے میں سلطان عبدالمجید خاں کے حوالے سے لکھا تھا۔ ''موجودہ عمارت وہی ہے جو سلطان عبدالمجید خان کے عہد میں تیار ہوئی۔ یہ عمارت ۱۵ سال کے عرصہ میں ۱۲۷۷ھ کو مکمل ہوئی تھی۔'' (۴۵) محمد معراج الاسلام کی کتاب میں ہے کہ ''سلطان محمود خان اور سلطان عبدالمجید خان کا دورِ حکومت مجموعی طور پر ۱۲۲۳ھ میں شروع ہو کر ۱۲۷۷ھ پر ختم ہوتا ہے۔'' (۴۶) ''تاریخ الامت'' میں محمد اسلم جیراجپوری بھی بتاتے ہیں کہ ۱۲۷۷ھ میں سلطان عبدالمجید نے ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دیندار اور باحمیت تھا۔ مدینہ منورہ میں اس کی یادگاریں ہیں (۴۷) اور مولانا خیرالدین ۱۸۷۲ء میں ترکی گئے تھے (شاید ۱۲۸۹ھ میں)

اب ان تذکرہ نویسانِ آزاد کی طرف آتے ہیں۔ جو مولانا خیرالدین کا سلطان عبدالحمید خاں کے عہد میں ترکی پہنچنا لکھتے ہیں۔ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں کہ سلطان عبدالمجید خان کے انتقال پر اس کا بھائی عبدالعزیز تخت نشیں ہوا' اور ۱۲۹۳ھ میں معزول ہوا۔ (۴۸) اس سے

واضح ہوتا ہے کہ جب مولانا خیرالدین ۱۸۷۲ء میں ترکی گئے' وہ زمانہ سلطان عبدالمجید یا سلطان عبدالحمید کا نہیں' بلکہ سلطان عبدالعزیز خاں کا تھا۔ البتہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے بقول (۴۹) اگر مولانا خیرالدین دو مرتبہ ترکی گئے تھے تو عین ممکن ہے کہ وہ دوسری مرتبہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانے (۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۸ھ) میں ترکی گئے ہوں (۵۰) تذکرہ نویسوں کا ۱۸۷۲ کے حوالے سے سلطان عبدالحمید کا ذکر بہرحال درست نہیں۔ ایک اور بات کہ آصف علی نے قسطنطنیہ میں ان کا قیام تین سال بتایا ہے (۵۱) جو کہیں اور سے ثابت نہیں ہوتا۔

قونیہ میں قیام

ڈاکٹر ابوسلمان نے اپنے مضمون ''شوقِ سیاحت'' میں عبدالرزاق ملیح آبادی کی روایت سے لکھا: ''قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک کے ممالک کی سیر کی۔ قونیہ میں ایک سال قیام کیا۔'' (۵۲) غلام رسول مہر اور شورش کاشمیری نے بھی یہی لکھا ہے (۵۳)

شام کی سیر

''شوقِ سیاحت'' میں صرف یہ لکھا گیا کہ قونیہ میں قیام کے بعد شام کے دیار و امصار کی سیاحت کی (۵۴) آزاد کے دوسرے تذکرہ نگار بھی مولانا خیرالدین کے قونیہ یا شام وغیرہ کے قیام اور سیاحت کے دوران میں ان کی مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے۔

مصر میں قیام

''شوقِ سیاحت'' کے حوالے سے یہی بات سامنے آئی کہ ''مصر تشریف لے گئے اور قاہرہ میں ایک عرصہ مقیم رہے۔'' (۵۵) البتہ سیّد شفقت رضوی نے یہ اطلاع دی ہے کہ مصر کے دورانِ قیام میں علماءِ ازہر سے ایک اہم موضوع پر مناظرہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ جس کی وجہ سے خدیو ان کا بے حد احترام کرنے لگے تھے (۵۶) غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ ''یہاں متعلقین کی مسلسل علالت کی وجہ سے ایک سال تک قیام کرنا پڑا۔'' (۵۷) اس قیام کو ڈاکٹر ابوسلمان ''کچھ عرصہ'' قیام کہتے ہیں۔

بمبئی آمد

مصر سے مولانا بمبئی آئے اور یہاں ۱۸۷۶ء میں عراق چلے گئے۔

عراق میں قیام

عراق میں بقول مہر چھ سات ماہ اور بقول ڈاکٹر ابوسلمان سات آٹھ مہینے رہے۔

''اس زمانے میں سیّد عبدالرحمن نقیب ساداتِ اشراف بغداد کے والد سیّد علی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے۔ ان ہی کے یہاں ٹھہرے۔ ان سے طریقۂ قادریہ کی اجازت لی اور انھوں نے ان سے طریقۂ نقشبندیہ کی۔'' (۵۸) اس قیامِ عراق کے بارے میں خود ابوالکلام نے اپنے ایک مکتوب میں جو تفصیلات بیان کی ہیں اور ''روح المعانی'' پر مولانا خیرالدین کے تعقبات کا ذکر کیا ہے' وہ ''علمیت'' کے زیرِ عنوان تحریر کی جا چکی ہیں۔ (۵۹)

بغداد سے پھر بمبئی

بغداد سے مولانا خیرالدین بمبئی (جسے اب ممبئی بنا دیا گیا ہے) آ گئے۔ یہاں ایک قطعۂ زمین خرید کر مسجد تعمیر کی اور اس کے ساتھ ایک بہت بڑا احاطہ خام عمارت کا کرایہ کے لیے بنایا۔ پروفیسر شفقت رضوی کہتے ہیں: ''مولانا خیرالدین وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہتے تھے کیونکہ ان کے مرید یہاں ہر بڑے شہر خصوصاً دہلی' بھوپال' بمبئی' کاٹھیاواڑ' گجرات' کلکتہ میں موجود تھے۔ اس کا ذکر مولانا ملیح آبادی نے بھی ''آزاد کی کہانی'' میں بلاتعیّنِ سال کیا ہے۔ مہادیو ڈیسائی لکھتے ہیں کہ وہ غالباً پہلی مرتبہ اپنے گجراتی مریدوں کی درخواست پر جوحج کے لیے گئے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں حجاز سے بمبئی آئے اور بعد اس کے وقتاً فوقتاً آتے رہے۔ (۶۰)

کلکتہ میں دوبارہ قیام اور وعظ و تذکیر

بقول غلام رسول مہر ''ان کے سب سے مقرب مرید حاجی عبدالواحد باصرار کلکتہ لے آئے۔ یہاں ''مسجد ناخدا'' کی تعمیر کے لیے تحریک کی۔ تقریباً تین سال کے قیام کے بعد مکہ واپس چلے گئے۔'' (۶۱) شورش کاشمیری لکھتے ہیں: ''قاضی واحد کلکتے کے سب سے بڑے مسلمان تاجر اور آپ کے مرید تھے۔ انھیں تحریک کر کے جامع مسجد بنوائی۔ اس کے بعد سلطان ٹیپو کے خاندان سے ایک شہزادے فرخ سیر کو زور دیا اور مسجد ٹیپو سلطان کی نیو رکھی جو کلکتے میں جامع مسجد کے بعد

دوسری بڑی مسجد ہے۔ اس طویل قیام نے ان کی پیری مریدی کے سلسلے کو پھیلا دیا۔ ہر روز پانچ پانچ سو یا ایک ایک ہزار آدمی مرید ہوتے۔ جمعہ کو یہ عالم ہوتا کہ نماز ختم ہوتے ہی جمِ غفیر ہو جاتا۔ اس بھیڑ میں ایک آدمی مسجد کے درمیان کلماتِ بیعت کا اعادہ کرتا اور عصر تک بمشکل فراغت ہوتی۔'' (۶۲)

ابوالکلام آزاد نے محمد یوسف جعفری رنجورؔ کے نام اپنے ۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء کے خط میں لکھا: ''۱۳۰۴ھ کے اوائل میں یکایک والدہ کو ہندوستان کے مشہور مقامات دیکھنے کا شوق ہوا۔ اور والد صاحب کو بھی حب الوطنی نے اس تحریک کو عملی صورت میں لانے کے لیے آمادہ کر دیا اور سننے والوں نے تعجب سے سنا کہ مولوی خیرالدین صاحب بمبئی آ گئے ہیں۔ ۱۳۰۴ھ کے اواخر میں اجمیر' اکبر آباد وغیرہ مقامات کی سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے اور حاجی واحد نا جو یہاں کے مشہور رئیس اور والد صاحب کے معتقد تھے انھیں اپنے گھر لے گئے۔ کلکتہ پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ میری والدہ یکایک سخت بیمار ہو گئیں اور بیماری سے دو ہفتے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔''

''والدہ کا انتقال ایسا نہیں تھا جو والد کو نہایت ملول نہ کرتا۔ بہت غمگین رہے نہایت ملول ہوئے۔ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ پھر ہوا لیکن بعض مذہبی بحثوں کے چھڑ جانے اور والدہ کے مزار کے تیار کرنے کے خیال نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ انھی دنوں میں کلکتہ کی بڑی مسجد میں ان کا ہر جمعہ کو وعظ ہوا کرتا تھا۔ لوگ جوق در جوق مرید ہو رہے تھے۔ ایمان آباؤ اجداد حضرت رسول ﷺ کی بحث ہو رہی تھی۔ انھوں نے اپنی ایک قدیم تصنیف جو اسی موضوع پر لکھی تھی۔ (۶۳) ترمیم کے ساتھ چھپوانی شروع کر دی تھی اور اسی لیے ایک پریس جاری کیا تھا۔ غرض ایسے تعلقات پیدا ہو گئے تھے کہ دوستانِ کلکتہ کو کئی برس تک روکنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔'' (۶۴)

ہفت روزہ اخبار ''سراج الاخبار''، جہلم کی ۲۶ جون ۱۸۹۴ء کی اشاعت میں یہ خبر چھپی تھی: ''کلکتہ میں ایک شخص مولوی خیرالدین صاحب جو بڑے عالم فاضل ولی اللہ' جن کے ہزاروں مرید ہیں اور ہزاروں پیش گوئیاں انھوں نے کی ہیں' اس میں سر مو بھی فرق نہیں نکلا اور محلّہ ناخدا میں مقیم ہیں۔ ہر جمعہ کو مسجد ناخدا میں یعنی کلکتہ کی بڑی جامع مسجد میں وعظ فرمایا کرتے ہیں۔''

(۶۵) اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۹۴ء میں مولانا، کلکتہ میں تھے اور سید شفقت رضوی نے مولانا
کی چھوٹی بیٹی محمودہ بیگم عرف حنیفہ بیگم آبروؔ کے ذکر میں لکھا کہ ''انھیں فنِ خطابت ورثہ میں ملا تھا''
اور ابوالکلام کے تذکرے میں کہا کہ ان کی والدہ بڑی لسان اور فصیح البیان تھیں۔ والد بھی وعظ دیا
کرتے تھے، ان کے طرزِ خطابت کی دور دور تک دھوم مچی ہوئی تھی'' اور خود مولانا خیرالدین کے
کلکتہ میں باوجود ضعیف العمری اور بیماری کے، ان کے رشد وہدایت کے سلسلے کے متعلق تحریر کیا کہ
''ان کا وعظ کم از کم تین گھنٹے کا ہوتا تھا جس کی صورت ایک مرتّب کتاب کی ہوتی۔ مطالب میں ربط،
ترتیب، تقسیم، استنباط استدلال، اجمال سے تفصیل اور تفصیل سے پھر اجمال اور اس پر اختتام۔ وعظ
میں طوالت کے باوجود، سامعین میں اس درجہ استغراق طاری ہو جاتا تھا کہ کوئی اپنی جگہ پر حرکت
بھی نہ کرتا۔ کسی موضوع پر وہ صرف چند گھنٹے وعظ دینے کی قدرت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر مہینوں
اظہارِ خیال کر سکتے تھے۔ (۶۶) عبدالرزاق ملیح آبادی ابوالکلام آزاد کی زبان سے کہتے ہیں کہ
''اسی مسجد میں پہلے سفر کلکتہ کے موقع پر دو سال تک سورۂ والضحیٰ کا وعظ بیان کیا اور وہ ختم نہ ہوئی۔
دوسری مرتبہ جب آئے اور وعظ کا سلسلہ شروع ہوا تو ''بسم اللہ'' کو بطور آیت کے تلاوت کر کے دو
سال تک اسی پر وعظ کہتے رہے۔ پھر سورۂ یوسف شروع ہوئی تو سات برس تک اس پر وعظ کہا اور
آدھی سے زیادہ نہ ہوئی۔'' (۶۷)

ڈاکٹر ابوسلمان لکھتے ہیں کہ ''ابوالنصر اور ابوالکلام دونوں بھائی سیر وسیاحت کے بہت
شوقین تھے۔ پہلے تو بمبئی اور کلکتہ کے سفر اپنے والد کے ہمراہ کیے۔'' (۶۸)

پیر طریقت خیرالدین

چراغ حسن حسرت کا کہنا ہے کہ ''ان (ابوالکلام) کے والد بزرگوار مولانا خیرالدین
ایک مشہور خانوادۂ طریقت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ اب بھی ان کے عقیدت مند ملک کے مختلف
حصوں میں موجود ہیں۔'' (۶۹) ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی لکھتے ہیں۔ ''ان (ابوالکلام) کے والد
مولانا خیرالدین اپنے وقت کے ایک بہت بڑے پیر اور شیخ الطریقت تھے۔'' (۷۰) ''سراج
الاخبار'' جہلم کی خبر پہلے دی جا چکی ہے کہ وہ بڑے عالم فاضل ولی اللہ ہیں جن کے ہزاروں مرید

ہیں اور ہزاروں پیش گوئیاں جو انھوں نے کیں، ان میں سرِمو بھی فرق نہیں نکلا۔

عبداللہ بٹ نے لکھا: ''دہلی، گجرات، کاٹھیاواڑ، بمبئی اور کلکتہ میں ان کے لاکھوں
مرید تھے۔'' (۷۱) پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں: ''بھوپال کے مسلمان مولانا منورالدین اور
مولانا خیرالدین سے فیض پانے اور ہدایت لینے کے لیے آتے رہے۔ اس طرح خواص اور عوام
میں مریدوں اور عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا.......... بمبئی اور اطراف کے
علاقوں کے ہزاروں مسلمان ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے .... حجاز میں ان کے
سلسلۂ طریقت کا بھی آغاز ہو گیا اور لوگوں نے بڑی تعداد میں بیعت کی .... مولانا خیرالدین
وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہتے تھے کیونکہ ان کے مرید یہاں ہر بڑے شہر خصوصاً دہلی، بھوپال، بمبئی،
کاٹھیاواڑ، گجرات، کلکتہ میں موجود تھے .... کلکتہ میں باوجود ضعیف العمری اور بیماری کے،
انھوں نے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہاں ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی۔
اس زمانے میں ایک ایک مجلس میں پانچ سو یا ہزار آدمی مرید ہوتے تھے۔ قاعدہ تھا کہ صرف جمعہ کی
شب کو مرید کرتے تھے۔'' (۷۲)

حمیدہ سلطان کی والدہ اور ابوالکلام آزاد کی اہلیہ زلیخا بیگم میں بہناپا تھا۔ حمیدہ سلطان
نے ابوالکلام کی وفات کے بعد جو مضمون لکھا۔ اس میں بتایا کہ ''ان (زلیخا بیگم) کے والد آفتاب
الدین صاحب، بغداد کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کا سلسلۂ نسب حضرت
صدیق اکبرؓ سے جاملتا ہے۔ آفتاب الدین صاحب مولانا (ابوالکلام) کے والدِ بزرگوار کے خاص
مریدوں میں سے تھے۔ زلیخا بیگم ان کی پانچویں صاحبزادی تھیں۔ ان کے پیدا ہوتے ہی انھوں
نے پیر کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ انھوں نے بہت محبت سے اس حسین پیاری بچی کو گود میں لیا اور
زلیخا نام رکھا۔'' (۷۳) یہی بات ڈاکٹر ابوسلمان نے یوں لکھی۔ ''دونوں بھائیوں (ابوالنصر آہ اور
ابوالکلام آزاد) کی شادی ایک ہی دن اور وقت میں مولوی آفتاب الدین مرحوم کی دو بیٹیوں حفیظہ
اور زلیخا سے ہوئی تھی۔ مولوی آفتاب الدین مرحوم مولانا خیرالدین دہلوی کے مرید تھے اور سروے
آفس میں ملازم رہے تھے۔ مولانا خیرالدین دہلوی کے انتقال (۱۹۰۸ء) کے بعد وہی اس

خاندان کے سربراہ تھے۔'' (۷۴)

تربیت سے اصلاحِ احوال کے بعد بیعت

ابوالکلام نے مسیتا خاں کی اپنے والد سے بیعت کا حال ''غبارِ خاطر'' میں رقم کیا ہے:

مسیتا خان پیشہ کا گویّا تھا.......... کلکتہ میں طوائفوں کی معلمی کیا کرتا تھا۔ یہ والد مرحوم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ ان کا قاعدہ تھا کہ اس طرح کے لوگوں کو مرید نہیں کرتے تھے۔ لیکن اصلاح وتوجہ کا دروازہ بند بھی نہیں کرتے۔ فرماتے 'بغیر بیعت کے آتے رہو۔ دیکھو' خدا کو کیا منظور ہے'۔ اکثر حالتوں میں ایسا ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد لوگ خود بخود اپنا پیشہ چھوڑ کر تائب ہو گئے۔ چنانچہ مسیتا خاں کو بھی یہی جواب ملا۔ والد مرحوم جمعہ کے دن وعظ کے بعد جامع مسجد سے مکان آتے تو پہلے کچھ دیر دیوان خانہ میں بیٹھتے' پھر اندر جاتے۔ خاص خاص مرید پالکی کے ساتھ چلتے ہوئے آجاتے اور اپنی اپنی معروضات پیش کر کے' رخصت ہو جاتے۔ مسیتا خاں بھی ہر جمعہ وعظ کے بعد حاضر ہوتا اور دور فرش کے کنارے دست بستہ کھڑا رہتا۔ کبھی والد مرحوم کی نظر پڑ جاتی تو پوچھ لیتے 'مسیتا خاں' کیا حال ہے؟ عرض کرتا' حضور کی نظرِ کرم کا امیدوار ہوں۔ فرماتے' ہاں اپنے دل کی لگن میں لگے رہو۔ وہ بے اختیار ہو کر قدموں پہ گر جاتا اور اپنے آنسوؤں کی جھڑی سے انھیں تر کر دیتا۔ ذوؔق نے کیا خوب کہا ہے:

ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اس قدر آستین و دامن
کہ میری تر دامنی کے آگے عرق عرق پاک دامنی ہے

(دیوانِ ذوؔق مرتبّہ آزاد۔ ص ۱۸۷)

کبھی عرض کرتا۔ ''رات کے دربار میں حاضری کا حکم ہو جائے۔'' یعنی رات کی مجلسِ خاص میں جو مریدوں کی تعلیم وارشاد کے لیے ہفتہ میں ایک بار منعقد ہوا کرتی تھی۔ اسے والد مرحوم ٹال جاتے۔ مگر ان کے ٹالنے کا بھی ایک خاص طریقہ تھا۔ فرماتے ''اچھی بات ہے۔ دیکھو ساری باتیں اپنے وقت پر ہو رہیں گی۔'' وہ جاں باختۂ امید وبیم' اتنے ہی میں نہال ہو جاتا۔ اور رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی گھر کی راہ لیتا۔ خواجہ حافظؔ ان معاملات کو کیا ڈوب کر کہہ گئے ہیں:

بحاجب درِ خلوت سرائے خاص بگو

''فلاں زگوشہ نشینانِ خاکِ درگہِ ما ست''

(دیوانِ حافظ۔ ص ۶۲)

لیکن بالآخر اس کا عجز ونیاز اور صدقِ طلب رنگ لائے بغیر نہ رہا۔ والدِ مرحوم نے اس کو مرید کر لیا تھا اور حلقہ میں بیٹھنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ اسے بھی کچھ ایسی توفیق ملی کہ طوائفوں کی نوچیوں کی معلمی سے تائب ہو گیا اور ایک بنگالی زمیندار کی ملازمت پر قناعت کر لی۔ والد مرحوم کو میں نے ایک مرتبہ یہ کہتے سنا تھا کہ مسیتا خاں کا حال دیکھتا ہوں تو پیر چنگی کی حکایت یاد آجاتی ہے۔ یعنی مولانا روم والے' پیر چنگی کی (مثنوی۔ دفتر اوّل: ۵۶)

پیر چنگی کے بود مردِ خدا
حبذا اے سرِّ پنہاں' حبذا'' (۷۵)

پیشین گوئیاں

ہفتہ وار ''سراج الاخبار'' جہلم کی خبر کے حوالے سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ مولانا خیرالدین نے کلکتہ میں مختلف حالات وواقعات کے متعلق جو پیشگوئیاں کیں' وہ درست نکلیں۔ ان کے ایک متبحر عالمِ دین اور شیخ الطریقت ہونے کی وجہ سے مستقبل کے متعلق خیالات کو ربِّ کریم حقیقت کا روپ دیتا رہا۔

وہابیت کی مخالفت

پروفیسر سیّد شفقت رضوی کہتے ہیں کہ ''حجاز میں انھوں نے وہابیت کے خلاف محاذ کھولا اور اس سلسلے میں بڑے بڑے تنازعات سے گزرے۔'' (۷۶) شورش کاشمیری نے اس معاملے کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں: ''اس زمانے میں حجاز کے علما وعوام کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے سخت عناد وتعصب تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ نے بھی سیاسی مصلحتوں کے تابع انھیں معتوب ومغضوب گردان رکھا تھا۔ مولانا خیرالدین نے اس وہابی جماعت (جو حجاز چلے گئے تھے) کے خلاف شریفِ مکہ اور قسطنطنیہ کے عوام کو تیار کیا۔ مولانا آزاد کے الفاظ میں فتنہ اٹھایا۔ نتیجۃً اس جماعت کے اکتیس آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن تین کے سوا سب نے تقیہ کیا اور رہا ہو گئے۔ تین کو

فی کس انتالیس کوڑے لگانے کی سزادی گئی۔ ان گرفتار شدگان کے عقاید کے متعلق جو سوالنامہ مرتب کیا گیا وہ مولانا خیر الدین کا تیار کردہ تھا۔ اس سلسلے کا عبرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ان لوگوں کے اعزہ نے ہندوستان سے جدّہ آکر برٹش قونصل سے مدد مانگی کہ ان کی رعایا پر یہ عذاب نازل ہو رہا ہے۔ اس کی مداخلت سے وہ آدمی رہا کیے گئے۔ لیکن دہلی پہنچے تو ان کے مخالفوں نے طوفان کھڑا کر دیا کہ حرم سے مخذول و مردود ہو کر آئے ہیں۔ گورنمنٹ کو ان کی گرفتاری کے لیے مجبور کیا گیا لیکن کسی نہ کسی طرح وہ بچ گئے .... غرض مولانا خیر الدین نے وہابیوں کے لیے مکہ معظمہ میں رہنا ناممکن کر دیا .... اس زمانے میں مولانا خیر الدین نے وہابیت کے رد میں دس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی لیکن اس کی دو ہی جلدیں چھپیں۔ (۷۷) سلطان ترکی نے خیر الدین کو ''تمغہ حمیدی'' دیا۔'' (۷۸)

ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت اور اہلِ بیت سے محبت

شورش کاشمیری اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''عبد العلی خان نام کا ایک شیعہ بمبئی میں کوتوالِ شہر تھا۔ تب کوتوال ہی کے ہاتھ میں شہر کا نظم و نسق ہوتا۔ اس نے ایک کتاب لکھوائی جو صریح تبرّا سے بھرپور تھی۔ ادھر وہ کتاب چھپ کر تقسیم ہوئی ادھر خیر الدین نے بمبئی پہنچ کر اس کے خلاف تقریر داغ دی۔ کوتوال شہر میں خدائی کر رہا تھا۔ اس نے مولانا کو قتل کرانے کی ٹھان لی۔ لیکن مولانا نے کتاب کی ضبطی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ آخر جیت مولانا کی ہوئی اور عبد العلی نے معافی مانگ لی۔ مولانا صحابہؓ کے بارے میں اس قسم کی زبان درازیاں یا قلم درازیاں کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اہلِ بیت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ عشرہ کی شب اپنے ہاں ذکرِ شہادت کی مجلس منعقد کرتے تو گریہ و بکا اس اوج پر ہوتا کہ بقول مولانا آزاد لکھنؤ کی بڑی مجالسِ عزا بھی اس درجے میں نہ تھیں۔'' (۷۹)

مخالفین کے اعتراضات اور ان کی حقیقت

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری نے مولانا ابوالکلام آزاد کے کچھ ابتدائی مضامین

''ارمغانِ آزاد'' جلد اوّل میں جمع کر دیے۔ انھوں نے یہ کتاب ۲۲ نومبر ۱۹۷۸ء کو مشہور ماہر فلکیات اور ''سرسیّد سپیشلسٹ'' ضیاء الدین لاہوری (مصنفِ کتبِ کثیرہ) کو پیش کی۔ اس میں ''اعلان الحق'' نام کا ایک رسالہ بھی ہے۔ ہم ''ارمغانِ آزاد'' سے اس رسالے کی عکسی نقل ذیل میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کے مطالعے سے قارئینِ محترم کو معلوم ہوگا کہ اپنے ابتدائی سلسلۂ مضامین میں ابوالکلام نے والد سے مذہبی و مسلکی اختلاف کے باوجود رویتِ ہلال کے مسئلے میں ان کا دفاع کیا۔ بعض علماء کلکتہ نے مولانا خیر الدین کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں جو ''بدعتی مشرک'' اور ''کافر'' کہا گیا' اس کا سبب ان کی تصانیف اور تقاریر تھیں جن میں وہ وہابیوں کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ خود ابوالکلام نے ان کی کتاب ''نجم المبین لرجم الشیاطین'' (دس جلدیں) درج الدرر البہیہ اور حفظ المتین کا ذکر کیا ہے۔ نجم المبین میں وہابیوں کے عقائد کا علمی تحقیقی تعاقب ہے' درج الدرر میں حضور رسول اکرم ﷺ کے آباو امہات کے ایمان پر دلائل ہیں اور حفظ المتین میں غیر خدا کو خدا کہنے کی تغلیط ہے۔ ابوالکلام کے اس رسالے سے یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ مولانا خیر الدین کی مخالفت ردِ وہابیت اور ذکرِ شہادت امام حسینؓ کے نتیجے میں ہوئی اور انھیں خیر الدین کے بجائے ''شرالدین'' اور دیگر دشنام طرازیوں کا ہدف بنایا گیا۔ اس پر ابوالکلام نے معترضین کی غلیظ زبان کا ذکر کرتے ہوئے اپنے والد کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولانا کی تہذیب تو قابلِ ملاحظہ ہے کہ مخالفین کے رد اور درج الدرر البہیہ'' کی تائید میں ''حفظ المتین'' لکھی تو معترض کا نام بھی نہیں لکھا۔ اور ''ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی میری یا مولانا کی زبان سے کوئی جملہ سب و شتم آمیز مخالفین کی شان میں نہیں نکلے گا۔'' لیکن رسالہ ''اعلان الحق'' میں معترضین کا جواب وہابیت یا ذکرِ شہادت کے حوالے سے نہیں' صرف رویتِ ہلال کے موضوع پر دیا ہے۔
اگرچہ یہ حقیقت ''اعلان الحق'' میں درج عبدالشکور مرحبا اور دیگر ''علما'' کے رویتِ ہلال کے بارے میں پہلے سے موجود فتووں سے واضح ہو جاتی ہے کہ رویتِ ہلال پر اعتراضات تو بہانہ تھا' اصل دشمنی دوسری تھی۔ اور ابوالکلام نے جواب بھی اپنے ابتدائی دور میں دیا۔ بعد میں ایک تو مولانا

خیرالدین کے معترضین اور ابوالکلام مذہب و مسلک کے لحاظ سے ایک رہے، دوسرے، انھیں سیاسیات اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کی مساعی نے والد کی طرف سے بیگانگی اور غیریت پر مائل رکھا۔ یوں تو اب تک ابوالکلامی حضرات ان کے والد کے بارے میں کلوخ اندازی سے باز نہیں آتے (اور ابوالکلام نے اپنے والد کے خلاف زبان دراز حضرات سے محبت و مودت کے گہرے رشتے قائم کیے) مثلاً سعید احمد اکبر آبادی نے آزاد کے غیور اور خوددار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ''برہان'' دہلی میں لکھا کہ ''(انھوں نے) والدِ مرحوم کی استخواں فروشی کو ہرگز گوارا نہیں کیا۔ حالانکہ اس ذریعہ سے بلا کسی محنت و مشقت کے لاکھوں کما سکتے اور ایک وسیع و متمول طبقہ کے مرشد روحانی بن سکتے تھے۔'' (۸۰) مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک مضمون سے معلوم ہوا کہ ماہر القادری نے مولانا خیرالدین کے بارے میں لکھا تھا کہ ''وہ کوئی بڑے عالم نہیں تھے بلکہ مسجد کو رہن رکھنے والے اور بدعتی آدمی تھے۔'' (۸۱)

سعید احمد اکبر آبادی کی بات اس حد تک درست ہے کہ ابوالکلام اپنے والد کے مذہبی مسلک سے ہٹ گئے بلکہ اس کے مخالف ہو گئے لیکن عبدالوحید خاں کہتے ہیں کہ ان کا مزاج پیرزادوں والا ہی رہا۔ ''وہ ایک پیرزادہ تھے۔ آنکھ کھولی تو ہزاروں مریدوں کو پیر چومتے پایا۔ ہر چندان کو یہ طریق قدم بوسی اچھا معلوم نہ ہوتا تھا لیکن عقیدت مندوں کے ہجوم نے ان کے اندر فطری طور پر امامت اور قیادت کا جذبہ بچپن سے پیدا کر دیا تھا۔ "انا ولا غیری" ان کا شیوہ تھا اور اپنے زعم و پندار میں اپنی راہ کا تعین اُن کی فطرت بن گئی تھی۔ انھوں نے اپنے مضامین، خطوط اور تصانیف میں اپنی زندگی کے اس پہلو پر کافی روشنی ڈالی ہے۔'' (۸۲) اور جہاں تک پیری مریدی کا تعلق ہے اس کے متعلق سید ابوالحسن علی ندوی کی رائے سے اختلاف شاید کسی کے لیے بھی مشکل ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ ''یہ تو سب جانتے ہیں کہ وہ (ابوالکلام) پیروں کے خاندان کے فرد تھے لیکن یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ خود بڑے بلند پایہ بزرگ تھے اور باقاعدہ بیعت بھی کرتے تھے۔ البتہ ان سے بیعت کا شرف بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا۔'' (۸۳)

اب قارئینِ محترم ابوالکلام کے رسالے ''اعلان الحق'' کا متن ملاحظہ فرمائیں (۸۴)

اعلان الحق

التماس مؤلف

اس رسالہ سے خاکسار آزاد کو کسی خاص شخص کا رد منظور نہیں ہے بلکہ صرف اہلِ انصاف کی آگاہی مقصود ہے۔ جناب مولانا خیرالدین صاحب کے متعلق مخالفین نے بڑے بڑے اتہام اپنی تحریروں میں زور و شور سے کیے ہیں اور وہ وہ سخت الفاظ مولانا کی شان میں لکھے ہیں جو علما کی شان سے بعید ہیں خیرالدین کے نام سے تو مولانا مخالفین میں یاد کیے جاتے ہیں۔ اور یہ مقالہ ان سب شتم آمیز الفاظ کے جو رسالوں میں اور اشتہاروں میں لکھے ہیں کچھ حقیقت نہیں رکھتا لیکن ناظرین خود معلوم کر لیں گے کہ میں نے تمام تحریر میں کوئی ایک لفظ بھی کسی خاص شخص کا نام لے کر یا مجملاً یا کنایتاً نہیں لکھا ہے۔ بلکہ ہر مقام میں تہذیب کو ملحوظ رکھا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کبھی میری یا مولانا کی زبان سے کوئی جملہ سب و شتم آمیز مخالفین کی شان میں نہیں نکلے گا۔ مولانا کی تہذیب تو قابل ملاحظہ ہے۔ کہ مخالفین کے رد میں اور "درج الدرر البہیہ" کی تائید میں "حفظ المتین" لکھی تو معترض کا نام بھی نہیں لکھا کما لا یخفی علی الناظر۔ اس کے سوا ذاتیات سے بحث جیسی خود ہماری مخالف جماعت میں واقع ہوئی ہے، اس تحریر میں کہیں نہیں کی گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلہ اعلان الحق میں اور اعتراضات اور اتہامات کا رد جو مولانا پر کیے ہیں شائع کیا جائے گا اور دکھایا جائے گا کہ ہمارے معترض مخالفین نے کن کن پیچیدہ طریقوں سے اعتراضات کیے ہیں۔

خاکسار آزاد مؤلف رسالہ ہذا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

آج کل زمانے میں عجیب عجیب پر آشوب فتنے اٹھا کرتے ہیں طرح طرح کے شگوفے چھوٹتے ہیں مسائل کاسدہ اور عقائد فاسدہ کی اس قدر عام شہرت ہے کہ ہر خواندہ ناخواندہ مجتہد وقت اور امام ہے عجب دور ہے طرفہ طور ہے۔ نئے نئے گل پھولے ہیں لوگ اپنی پرانی روش بھولے ہیں، دین میں قسم قسم کے جھگڑے نکالتے ہیں اسلام میں فساد کے رخنے ڈالتے ہیں۔ تعصب کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی ہے جہالت کا طوفان جوش زن ہے ایک لکھا نہ پڑھا فاضل مشہور ہے دوسرا دو حرفی لیاقت کے نشہ میں چور ہے ایک اچھے کو برا برے کو اچھا بتاتا ہے دوسرا نام آوری اور شہرت کے لیے مذہب پر چھری پھیرتا ہے۔ ایک نے تمام جہان کو مشرک و بدعتی قرار دیا ہے۔ دوسرے نے تمام کتب فقہیہ کو طاقِ نسیان پر رکھ کر نئی تحقیق اور نئے اجتہاد کا سبق یاد کیا ہے۔ ایک صاحب فقہا پر تبرّے کی لیتے ہیں دوسرے صوفیۂ کرام کو برا بھلا سناتے ہیں علماء نے ہٹ دھرمی اور شہرت اپنا اصول قرار دیا ہے جہلاء نے ادھا دھندلی تقلید اور وہم تحقیق کو اپنا مذہب سمجھا ہے اور باایں ہمہ لطف یہ کہ حضرات غیر مقلدین تو آئے دن علماء سے اختلاف کرتے ہی تھے۔ اب حضرات حنفیہ بھی اپنی نام آوری اور شہرت کے لیے ان مسائل سے جو عند الفقہاء مسلّم ہیں اور جن کے ثبوت سے تمام فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اختلاف کرتے ہیں اور جو کچھ جی میں آتا ہے لکھ کر

شائع کر دیتے ہیں۔ گو پھر اہل حق سے معقول ہوتے ہیں لیکن ان کے اختلاف کا اثر عوام پر بہت ہی برا پڑتا ہے۔ بہت سے بے علم جاہل ان پر اعتماد کر کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ میں تقریباً بارہ سال سے حضرت مجمع الفضائل مولانا محمد خیر الدین صاحب مدفیوضہ دہلوی مصنف نجم المبین لرجم الشیاطین عشر مجلدات و درج البہیہ و حفظ المتین وغیرہ کتب کثیرہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تشریف فرما ہیں، آپ کے وجود سے ہزاروں مستفیض ہوئے سیکڑوں اپنی مرادوں میں کامیاب ہوئے۔ کلکتہ اُمڈ آیا، ہزاروں معتقد اور مرید ہو گئے۔ تمام شہر میں مولانا کا طوطی بول اٹھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرات علمائے کلکتہ بہ تحریک طبیعت ایک مخالفانہ پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور مختلف ذرائع سے مولانا مدظلہ سے اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ کسی وقت دیکھیے تو ایک لمبا چوڑا فتویٰ جس پر کالی کالی مہریں جو مفتیوں کے سیاہی قلب پر دال ہیں۔ گلی کوچہ میں گشت کر رہا ہے۔ ہیں! یہ کیا؟ اجی ذکرِ شہادت کرنے والے بدعتی مشرک ہے۔ چونکہ مولانا نے ذکر شہادت بیان کیا ہے۔ لہذا یہ "مشرک" ہیں۔ خیر کچھ دنوں بعد ایک رسالہ چار ورقی شائع ہو رہا ہے مسجدوں کے دروازوں پر رٹ رہا ہے۔ یہ کیا؟ یعنی یہ کہ مولانا کافر ہیں۔ الغرض مختلف ذرائع سے مخالفت کی گئی۔

جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر آٹھ نو سال سے (تقریباً) مولانا سے رویت ہلال ماہ رمضان اور عید کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے اور اپنی وہی لے پر کی بابت معمول کے موافق چھاپ کر شائع کرنا شروع کر دیا۔ اب عوام بیچارے انھیں حق بجانب سمجھ کر انھیں کی تقلید کرنے لگے اور علین عید کے دن کہ روزہ حرام ہے روزہ رکھنے لگے،

یہ حال پر ملال دیکھ کر یہ تو ممکن نہ تھا کہ جان بوجھ کر کھڈے میں گرتے ناچار علیحدہ قلعے کے میدان میں نماز عیدین پڑھنی شروع کر دی۔ جہاں تک ممکن تھا پہلے پہلے سمجھایا بوجھایا۔ جب دیکھا کہ پتھر پر جونک نہیں لگتی سکوت اختیار کیا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے معزز مخالفین نے اپنے اشتہاروں میں اور رسالوں میں اپنی مختلف تقریروں میں چھاپنا، کہنا شروع کر دیا کہ "مولانا اپنے کشف اور نجوم اور رمل پر اعتبار کرتے ہیں اور حکم روزہ اور عید اسی حساب سے دیتے ہیں غالباً اس کہنے سے یہ غرض ملحوظ ہے کہ دور دراز کے علماء جو اصل واقعے سے بے خبر ہیں مولانا سے بدگمان ہو جائیں۔ اس لیے میرا ارادہ تھا کہ اس بارے میں ایک رسالہ شائع کیا جائے جس میں اول تو   کو رفع کیا جائے اور پھر جن امور میں اختلاف ہے اُن پر بحث کر کے دودھ کا دودھ پانی کا پانی باطل کو حق سے جدا کیا جائے۔ مگر آج تک اس کی نوبت نہ آئی۔ چونکہ گذشتہ سال مسجد ناخدا میں بالائے مدرسہ قبل العصر ایک عابد زاہد مولوی صاحب مکرم معظم سے اس بارے میں گفتگو ہو گئی ہے اور ضیق وقت کی وجہ سے میں اپنے دلائل پیش نہیں کر سکا۔ بدیں وجہ یہ مختصر رسالہ جامع تحریر کر کے انصاف کا امیدوار ہوتا ہوں مجھے امید قوی ہے کہ ہمارے معزز مخالفین علمائے کلکتہ چشم انصاف سے ملاحظہ فرما کر راہ حق کے جویاں پویاں ہوں گے۔

وھٰھنا اشرح بالمقصود وما توفیقی الا باللہ الودود۔

"مخالفین کا یہ اعتراض کہ مولانا اپنے کشف و نجوم کے اعتبار پر حکم عید و صیام فرماتے ہیں اس کا رد۔ اور ثبوت میں ایک چشم دید حال کا واقعہ"

ناظرین! مولانا پر منجملہ اور اتہامات کے ایک اتہام یہ کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے کشف اور نجوم کے اعتبار پر حکم عید و صیام فرمایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات خلاف شرع ہے کیونکہ شرع کی باتوں میں نجوم اور کشف کو کیا دخل۔ پس یہ بات محض خلاف ہے اور اکثر واقعات ان کے خلاف صریح طور سے شہادت پیش کرتے ہیں۔

(۱) جب سے مولانا علیحدہ روزہ اور عید رکھنے اور کرنے لگے آج تک کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بلا کسی دلیل کے مولانا نے حکم صادر فرمایا ہو۔ جب فرمایا تو متواتر خطوط اور تار اور گواہی وغیرہ معتبر دلائل پر اور اس سے تمام اہل کلکتہ واقف ہیں۔ چنانچہ مولانا نے اکثر خطوط برسر منبر دکھائے ہیں اور گواہ شاہد پیش کیے ہیں، جس سے کوئی اہل انصاف انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) ایک سال کا واقعہ ہم درج کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح طور سے متحقق ہو جائے گی، وہ یہ ہے۔ کہ ایک تار جناب حاجی عبدالرزاق صاحب کے پاس جو کلکتہ کے ایک معزز تاجر ہیں، آیا جس میں صاف طور سے تو یہ نہیں لکھا تھا کہ یہاں چاند ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دلیل شرعی ہوتی۔ ہاں یہ لکھا تھا کہ یہاں چاند ہوا۔ یہاں عید ہو گی۔ غرضکہ [illegible] طور سے کہ دلیل معتبر نہیں ہو سکتی۔ اس کے سوا ایک میر صاحب بھی گواہ تھے۔ چونکہ بے حکم مولانا کے مسجد میں عید نہیں ہو سکتی تھی، تار اور گواہ میر صاحب مولانا کے پاس آئے۔ مولانا نے فرمایا کہ گواہ کیا کہتا ہے۔ پہلے اس سے استماع کرنا چاہیے۔ میر صاحب نے ارشاد کیا کہ میں آج شام کو مرشد آباد سے آ رہا تھا ہو گی کے قبل ہی ریل میں ایک بوڑھی غالباً گوالن بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لگی کہنے کہ دیکھنا میر صاحب! یہ چاند نظر آ رہا ہے۔ جناب میں نے جو نظر اٹھا کے دیکھا تو فی الواقع ناک کی سیدھ چاند دمکگا رہا تھا۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ حضرت ابر بھی تھا۔

کہنے لگے کہ نہیں صاحب مطلع صاف تھا۔ مولانا نے تعجباً فرمایا کہ ہیں میر صاحب
ہوگلی جو یہاں سے بہت ہی قریب ہے وہاں تو بالکل مطلع صاف ہو۔ اور یہاں
کلکتہ میں عصر سے ابر ہو! خیر جب تار کی نوبت آئی، تو اس میں مبہم طور سے لکھا
تھا اس لیے اس پر شرعی عمل درآمد ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ الغرض مولانا نے حکم
عید صادر نہیں فرمایا۔ اتفاقاً جناب عبدالقدوس عطار صاحب بھی تشریف فرما تھے
وہ میر صاحب سے فرمانے لگے۔ کہ میر صاحب اس قدر کذب گوئی! ابھی تو آپ
پانچ بجے میری دوکان پر لکھنؤ کے خربزے خرید رہے تھے، اور پانچ سے چھ تک
آپ مرشدآباد بھی چلے گئے اور وہاں سے از راہ ہوگلی تشریف فرما بھی ہو گئے
اُسْکُتْ اُسْکُتْ یَا اَیُّھَا الْکَذَّاب، اُسْکُتْ اُسْکُتْ یَا اَیُّھَا الْکَذَّاب
میر صاحب تو وہاں سے چلتے ہوئے۔ لیکن دوسرے دن جب معتبر گواہیاں آئیں
مولانا نے حکم افطار عصر کے قریب فرمایا۔ اس واقعہ سے تمام حضرات واقف ہیں
اب جائے غور ہے کہ اگر مولانا کو اپنے کشف اور نجوم پر حکم صادر فرمانا ہوتا، تو
نجوم کے حساب سے تو ضرور اس روز عید ہوتی تھی۔ تار اور گواہ میر صاحب کا
بہانہ موجود تھا، فوراً حکم صادر فرما دیتے۔ مگر چونکہ ان کو محض شرعی اعتبار درکار
تھا، اور عمل درآمد بھی عین ظاہری شرع پر تھا۔ ہرگز حکم عید نہیں فرمایا فاعتبروا
یا اولی الالباب اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَاب۔ ان دلائل سے یہ مخالفین کا اعتراض
کہ نجوم پر حکم فرماتے ہیں ھباءً منثوراً ہو گیا۔ اب ہم اصل بحث پر آتے ہیں۔
کہ جناب مولانا اور حضرات مخالفین علمائے کلکتہ میں جہاں تک غور کیا گیا صرف
ان امور میں اختلاف ہے۔

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں مشرق سے گواہی

یا خبر معتبرہ چاند کی اگر مغرب میں پہنچے، تو مغرب والے اس پر اعتبار کریں
اور روزہ رکھیں، عید کریں۔ لیکن معزز مخالفین فرماتے ہیں کہ نہیں جب تک
ہم اپنی آنکھوں سے کلکتہ میں چاند نہیں دیکھیں گے، تب تک نہ روزہ
رکھیں گے، اور نہ عید بس اعتبار گواہی و خبر متواترہ نیست۔

(۲) مخالفین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ صوموا
لرویتہ وافطروا لرویتہ

(۳) بعض مخالف مجبوراً اختلافِ مطالع کے نہ معتبر ہونے کے اگر قائل بھی
ہو جاتے ہیں تو پھر یہ مشکل پیش کرتے ہیں کہ عید کی خبر شب بھر میں کسی گواہ سے
پہنچ نہیں سکتی۔ سوائے تار، کے اور تار کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کفار
کے ذریعے سے آتا ہے۔

حضرات ناظرین! یہ تین بحثیں خصوصاً تار کی بحث ایک معرکۃ الآراء بحث ہے
اور اس لائق ہے کہ اس کو نہایت طوالت کے ساتھ مع مالہ وما علیہ تفصیلاً لکھا
جائے لیکن چونکہ مجھے سردست صرف اہل انصاف کی آگاہی کے لیے مختصر تحریر
کرنا ہے، اس لیے نہایت مختصر طور سے پیش کرتا ہوں۔ والعاقل
تکفیہ الاشارۃ۔

پہلی بحث اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے نہ ہونے کی

پہلا اختلاف مولانا و علمائے کلکتہ کا یہ ہے

کہ "اختلاف مطالع کے سبب سے اور ملکوں کے رخ کا اعتبار نہیں ہے" اگرچہ
یہ بحث طول طلب ہے لیکن جہاں تک ہم سے ممکن ہو گا ہم اختصار کے ساتھ
تحریر کریں گے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ علمائے کلکتہ کا یہ انوکھا مسئلہ جس سے

اور علماء کے کان ناآشنا ہوں گے، خدا جانے کس کتاب میں لکھا ہے آج
ہندوستان میں متون وحواشی، شروح۔ فتاویٰ ہر قسم کی کتابوں کا کافی
سرمایہ مطبوعہ غیر مطبوعہ موجود ہے۔ کوئی شمس العلماء صاحب ہم کو یہ انوکھا
مسئلہ کہ بسبب اختلاف مطالع اور ملکوں کا اعتبار نہیں" کسی کتاب معتبر
میں دکھلادیں۔ تمام کتب فقہ میں صاف اور سیدھے مثالیں دیکر لکھا ہے" کہ
اختلاف مطالع کا رمضان المبارک میں اعتبار نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے اگر
مغرب والوں نے یکشنبہ کے دن چاند دیکھا۔ اور مشرق والوں نے دوشنبہ
کو۔ تو جب شرقیوں کو غربیوں کے پاس سے یکشنبہ کی خبر ہو جائے اور وہ خبر
معتبر شرعی ہو۔ تو انکیں چاہیے کہ روزہ قضا کریں اور اگر یکشنبہ ہی کے دن
خبر ہو جائے تو انکیں یعنی شرقیوں کو یکشنبہ ہی سے روزہ رکھنا چاہیے اور
اسی کے حساب سے افطار کرنا چاہیے۔

الغرض اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں ہے جس مقام پر گو **بعد المشرقین**
ہو۔ پہلا روزہ ہوا اس کا اعتبار ہے۔ اور ایسا ہی تمام معتبر کتب فقہ میں
بالتفصیل لکھا ہے۔

اب ہم دس معتبر فقہ کی کتابوں سے عبارتیں نقل کیے دیتے ہیں جو فی زمانہ
معروف اور متداول ہیں۔ اور ہر جگہ میسر ہو سکتی ہیں۔ اور جن میں صاف طور سے
یہ مسئلہ تحریر ہے چشم انصاف سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) (فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب) اذا ثبت عندهم
رؤیة اولئك بطریق موجب" (درالمختار)

(۲) "یلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب فی ظاهر

المذهب وعلیه الفتوی کذا فی الخلاصة" (نهر الفائق)

(۳) "اذا ثبت الهلال فی بلدة لزم سائر الناس فی ظاهر
الروایة وعلیه الفتوی وهو قول اکثر المشائخ" (مراقی الفلاح)

(۴) بلدة اذا رأوا الهلال هل یلزم فی حق کل بلدة؟ (الی قوله)
وفی الخانیة لاعبرة باختلاف المطالع فی ظاهر الروایة وفی
الظهیریة عن ابن عباس رض انه کان یعتبر فی حق کل بلدة
رؤیة اهلها۔ انتهی" (تاتارخانیه)

(۵) "لاعبرة لاختلاف المطالع وعلیه کثیراً من متون
المعتبرة کصاحب الکنز۔ انتهی (درر جواهر نفیسه شرح جواهر منیفه)

(۶) والصحیح من مذهب اصحابنا انه یلزم اذا استفاض
الخبر فی بلدة الاخری وان لاعبرة لاتحاد المطالع واختلافها
وهذا ظاهر الروایة۔ انتهی" (جامع الرموز)

(۷) "قوله احوط۔ ای لعموم الخطاب فی قوله صلعم صوموا
لرؤیته وافطروا لرؤیته بمطلق الرؤیة وهی حاصلة برؤیة قوم
فلیثبت عموم الحکم احتیاطاً" (طحطاوی)

(۸) فی الشامی بعد ذکر مذهب الشافعی" وظاهر الروایة الثانی
وهو المعتمد عندنا ای لاعبرة باختلاف المطالع" شامی

۹۔ "لاعبرة باختلاف المطالع ومعناه اذا رأی الهلال
اهل بلدة ولم یراه اهل بلدة اخری یجب ان یصوموا
برؤیة تا الخ" (تبیین الحقائق)

(۱۰) "لاعبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة وعلیه فتوی (الی قوله) لو رای هلال رمضان اهل مغرب یجب الصوم اهل مشرق" (عالمگیری)

(۱۱) صاحب درالمختار نے تو صاف فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ اور اس بارے میں اس نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ اختلاف المطالع کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہم علامہ ابن عابدین صاحب درالمختار کی پوری عبارت چونکہ طویل ہے نقل نہیں کر سکتے درالمختار میں دیکھ لینا چاہیے۔ (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۵)

قوله علی ظاهر المذهب اعلم ان نفس اختلاف المطالع لانزاع فیه بمعنی انه قد یکون بین البلدتین بعد الخ"

اب ہم نے گیارہ کتب معتبرہ فقہ سے جیسے درالمختار، مراقی الفلاح، جامع الرموز، طحطاوی، عالمگیری وغیرہ جن سے فی زمانہ بڑھ کر اور کوئی معتبر کتاب موجود نہیں ہے عبارات نقل کر دیے ہیں۔ جن میں صاف طور سے لکھا ہے لاعبرة لاختلاف المطالع فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب۔ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور اس کے سوا تمام متون، شروح میں لکھا ہے کہ۔ علیه فتوی فی ظاهر الروایات۔ علیه کثیرًا من المتون المعتبرة۔ اب اگر اس پر بھی کوئی نہ مانے اور وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائے تو وہ تعصب اور تقلید ہے یا نفس نہیں ہے تو کیا ہے؟

الغرض ان تمام عبارات بالا سے یہ بات متحقق ہو گئی کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ جہاں پہلے رویت ہو اسی کا اعتبار ہے۔ اور اس کو تمام شہروں کو اعتبار اور عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعد المشرقین ہو۔

دوسری بحث

حدیث "صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته" پر اور اس بات کا ثبوت کہ یہاں رویت سے مراد علم الیقین ہے۔ اور اس پر قرآنی دلائل

اب ہم کو اس حدیث اور ہم معنی اور حدیثوں پر بحث کرنی باقی ہے کیونکہ جب علماء کلکتہ اس صورت میں عاجز ہو جاتے ہیں، تو پھر مسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ "صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته"

ترجمہ۔ اے لوگو! روزہ رکھو چاند دیکھ کر، اور اسی طرح افطار کرو یعنی عید کرو چاند دیکھ کر" الحدیث"۔ پس۔ اس سے ہمارے مخالفین ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ۔ یہاں رویت کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں دیکھنے کے۔ تو پھر جب تک ہم اپنی دونوں آنکھوں سے ناک کی سیدھ چاند نہ دیکھیں روزہ اور افطار نہ کریں گے پس، اعتبار گواہی و خبر متواترہ نیست۔ لیکن افسوس ہے، اور سخت افسوس ہے کہ یہ حضرات علماء کلکتہ کہ جن کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ پڑھنے اور پڑھانے میں صرف ہو چکا ہے، ایک حدیث پر غور نہیں فرماتے اور ذرا فقہ کی کتابوں کو کھول کر نہیں دیکھتے جن میں صاف طور سے لکھا ہے کہ "یہاں رویت سے مراد علم الیقین ہے"۔

خیر تو اس حدیث کی علماء نے دو طور سے تفسیر کی ہے۔ اول یہ کہ یہاں رویت کے معنی علم الیقین کے ہیں۔ جب یقینی معلوم ہو جائے کہ فلاں مقام میں "رویت" ہوئی ہے۔ تو گویا اس کو رویت ہو گئی اور اب اس کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اور یہ عرب کا قاعدہ ہے کہ جس مقام پر "سامع" کو علم الیقین حاصل ہو جائے تو اس مقام پر رویت کا لفظ، قائل استعمال

کرتا ہے، اور ہم کلام عرب سے اس کی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ مگر اس وقت تین ایسی دلیلیں تحریر کرتے ہیں کہ اس سے انکار ہو ہی نہیں سکتا یعنی۔ قرآن شریف میں بھی تین موقعوں پر اللہ جل شانہ نے اسی طرح علم الیقین کے موقع پر "رویت" کا لفظ فرمایا ہے۔ اگر وہاں رویت کے معنی علم الیقین کے نہ لیے جائیں تو معنی ہی خبط ہو جائیں۔ اور کسی مفسر نے یہ معنی یعنی دیکھنے کے نہیں لیے ہیں اور کیسے لیں جبکہ معنی ہی خبط ہو جائیں، اب وہ آیتیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) سورہ والصّٰفّٰت کے دوسرے رکوع کے اول و آخر میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ "اے پروردگار ھب لی من الصالحین یعنی مجھ کو ایک فرزند صالح عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے انھیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام عطا فرمایا۔ اور جب وہ جوان ہوئے ایک دن حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ قال یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ" ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں جیسے تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم بھی ذرا سوچو کہ تمہاری رائے میں کیا آتا ہے۔

اب جائے غور ہے۔ کہ اس آیت میں "فانظر ماذا تریٰ" آیا ہے۔ اب اگر یہاں بقول علماء کلکتہ رویت کے معنی "دیکھنے" کے لیے جائیں تو یہ معنی خبط ہوں گے کہ "پس دیکھ تو کہ کیا دیکھتا ہے تو" اور یہ کسی مفسر نے نہیں لیے۔ اور لے تو کیونکر جبکہ معنی ہی سرے سے "خبط" ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے استصواب رائے فرماتے تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ پس دیکھ تو کہ کیا دیکھتا ہے تو" یعنی چہ؟ "پس اس آیت میں بھی وہی رویت

کے مجازی" معنی لیے گئے ہیں۔ فافہم۔

(۲) سورہ "فجر" کے پہلے رکوع میں ہے۔

"الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد" ترجمہ:۔ اے میرے حبیب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم "عاد" کے ساتھ کیا کیا (وہ) ارم صاحب ستون کے ایسے تھے کہ جس کے مانند کسی شہر میں ہم نے پیدا نہیں کیے۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے علم الیقین کے موقعہ میں وہی "رای" کا لفظ ارشاد فرمایا ہے کما مر۔

(۳) سورہ "فیل" میں ارشاد ہوتا ہے۔

الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ۝ الم یجعل کیدھم فی تضلیل ۝ وارسل علیھم طیرا ابابیل ۝ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ۝ فجعلھم کعصف ماکول ۝

ترجمہ:۔ اے میرے حبیب گنہگاروں کے طبیب! کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، کیا اس نے ان کے تمام فریب نہیں توڑے؟ ہاں بیشک توڑے؟ اور ان پر غول در غول پرندے بھیجے جو ان پر کنکریاں (ہلاک کرنے والی) پھینکتے تھے اور ان کو کھائے ہوئے بھس کی مانند کر دیا۔

ناظرین۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس سورہ میں بھی اللہ جل شانہ نے "تر" ارشاد کیا ہے جس کے معنی یہ ہونا چاہیے کہ "کیا نہیں دیکھا تو نے" واقعہ اصحاب فیل کا۔ حالانکہ جناب رسول اکرم تو اس واقعے کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ اور نہ دیکھ سکتے تھے

کیونکہ یہ واقعہ آپ کے کئی سال قبل مکہ معظمہ میں ہو چکا تھا۔ مگر جناب باری نے "تر" کا لفظ ارشاد فرمایا۔ اب ذرا ہمارے مخاطبین، ارشاد فرمائیں کہ یہاں "یہ دیکھنا" کیوں ارشاد ہوا؟ بس یہاں وہی مجازی معنی "علم الیقین" کے ہیں کہ "کیا نہیں معلوم تم کو میرے حبیب"۔ کیونکہ "قائل جانتا ہے کہ مجھ پر سامع" کو یقین کامل ہے۔ اس لیے وہ یہاں روئیت، جس کے معنی مجازی علم الیقین کے ہیں استعمال کرتا ہے کما لا یخفیٰ علی المتامل، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اب ان تینوں آیتوں سے یہ بات متحقق ہو گئی کہ بعض مقام میں "روئیت" کا حصول علم الیقین" پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ پس اس حدیث زیر بحث صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ" میں روئیت کے یہی معنی محققین نے لیے ہیں اور اس بنا پر صاف لکھ دیا کہ "لا عبرۃ لاختلاف المطالع و علیہ الفتوےٰ۔

اور یہ کچھ ہم نے لکھا ہے کچھ ہماری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ اور محققین کی بھی یہی رائے ہے اور اس کے یہی معنی لیے ہیں۔ اگرچہ ہم کو کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے جب کہ نفس بیان صحیح ہے اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن مزید اطمینان کے لیے ہم لکھے دیتے ہیں۔

کہ کتاب "عیون البصائر" جو ایک معتبر اور مشہور و معروف کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حدیث "صوموا لرویۃ وافطروا لرویۃ" میں روئیت سے مراد "حصول علم بطریق غالب" ہے پھر مثال دی ہے کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ عورت کو بایں الفاظ طلاق دی کہ "ان رایت الھلال فانت طالق" یعنی اگر تو نے چاند دیکھا تو تجھ پر طلاق۔ اب جب چاند رات آئی، تو وہ عورت مکان میں چھپ ہی کہیں چاند نہ دیکھنے پاؤں تاکہ "طلاق" نہ پڑ جائے

کیونکہ طالق نے "رایت الھلال" کی قید لگائی ہے۔ لیکن کسی شخص نے جا کر کہہ دیا کہ بی! یہ آپ کہاں بیٹھی ہیں! بی بی صاحبہ چاند ہو گیا۔ فقہ کہتی ہے کہ طلاق پڑ گئی" کیونکہ "طالق نے رایت الھلال" کی قید لگائی ہے۔ اور جبکہ عورت کو علم الیقین ہو گیا۔ تو اس کے لیے "روئیت" ہو گئی۔ انتہی ملخصاً۔

(۲) دوسرا جواب علمار محققین نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث زیر بحث "صوموا لرویتہ الخ میں بالعموم خطاب ہے۔ روئیت شرط ہے چاہے مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو۔ جہاں پہلے ہو اس پر بشرط خبر معتبر شرعی تمام عمل کریں۔ ہاں اگر رسول اکرم روحی فداہ یوں ارشاد فرماتے کہ "صوموا لرؤیۃ بلدۃ وافطروا لرویۃ بلدۃ۔ یعنی روزہ رکھو تم اپنے شہر کا چاند دیکھ کر اور اسی طرح افطار کرو تم اپنے شہر کا چاند دیکھ کر، تو بلا شبہ ہر ایک شہر کی روئیت کی اپنے لیے تخصیص ہو جاتی جب عام طور سے ارشاد فرمایا ہے۔ تو تخصیص کیونکر ہو سکتی ہے؟۔

الغرض حدیث زیر بحث میں روئیت سے دیکھنے کے معنی ہر گز نہیں ہیں اس کے معنی علم الیقین کے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور اہل تحقیق کی بھی یہی رائے ہے۔ پھر اس حدیث سے ہمارے مخالفین اپنے مسئلے پر استدلال ہر گز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے لیے دلیل قوی ہے اور ان کے مدعا کے مخالف ہے۔ فالحمد للہ۔

تیسری بحث

اس بارے میں کہ تار کی خبر معتبر ہے یا نہیں۔ اور اس بات کا ثبوت کہ کافر سے معاملات کے ضمن جو بات متعلق دینیات معلوم ہو وہ عند الفقہا معتبر ہے۔

اب تیسری بحث "تار" کے متعلق ہے اور یہ ایک بڑی معرکۃ الآرا بحث ہے ہم کو

چونکہ طول منظور نہیں ہے۔ اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ لکھیں گے، اس بارے میں ہم نے ایک خاص تحریر لکھی ہے جو عنقریب شائع ہوگی فمن شاء التحقیق فلیرجع الیہ۔

بات یہ ہے کہ آجکل تار نے وہ ترقی کی ہے کہ شاذونادر ہی کوئی شہر اور قصبہ اس " مفید تحکمہ " سے محروم رہا ہو۔ ایک نہیں سیکڑوں " دینی " اور " دنیوی " کام اس پر موقوف ہیں۔ یہ ایک ضروری البحث مسئلہ ہے، پس اگر اس پر اعتبار نہ کیا جائے (اور کیونکر نہ کیا جائے) تو تمام کاروبار الٹ پلٹ ہو جائیں۔ اس لیے مختصر طور سے اس کے " معتبر " ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہوں

آجکل بہتیرے ایسے مسئلے ہیں جو زمانے کی ترقی سے پیدا ہوگئے ہیں اور سلف میں مطلقًا نہ تھے اور اس لیے اس کے معتبر ہونے کے بیان سے کتب سلف بالکل خالی ہیں، تو پھر اگر ان پر بحث کی جائے تو کیونکر؟ پس اس کی یہ صورت ہے کہ ان کو اور مسئلوں پر قیاس کرکے اصول فقہ سے چھان بین کرکے نکالا جائے۔ پس اسی طرح یہ تار کا مسئلہ ہے کہ جسے ایجاد ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے، اس لیے کتب فقہ میں اس کی بحث بالکل نہیں ہے۔ تو اب اس کو کسی اور مسئلے پر قیاس کرنا چاہیئے۔ وغیر ازیں چارہ نیست۔

اب اس کو ہم " عقل " اور " شرع " دونوں سے دیکھتے ہیں اور جانچتے ہیں " عقل " تو اس بات کو مانتی ہی نہیں کہ تار میں جس پر آج تمام ہندوستان بلکہ دنیا کا دارومدار ہے " غلطی " کا احتمال ہو یا جعل کا خوف ہو۔ کیونکہ اگر غلطی اور جعل کا احتمال ہو تو اتنا کاروبار اس کے اشارے پر کیونکر چلے۔ اگر تار میں لکھا ہو کہ فلاں مرگیا تو آپ اعتبار کر لیتے ہیں، کہ بیشک مرگیا، اگر اس میں لکھا ہو کہ فلاں

لڑکا پیدا ہوا تو آپ مان لیتے ہیں۔ اگر لکھا ہو کہ فلاں کی شادی ہوئی چناں ہوا چنیں ہوا تو اس پر آپ عمل درآمد فرماتے ہیں۔ وقس علیٰ ھٰذا۔ پس جب ان تمام باتوں میں اعتبار کر لیا جاتا ہے اور سرمو فرق نہیں ہوتا اور پھر اس کی اور خبریں کیوں ناقابل اعتبار ہوں؟ اور کس طور سے اس پر غلطی کا احتمال ہو؟ جب کہ آج تک کبھی غلطی واقع نہیں ہوئی۔ تو عقل کے اقتضا سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

باقی رہی " شرع "، تو اس پر صرف ...... یہی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ خبر کفار کے ذریعے سے آتی ہے۔ اور کفار کا ایسی خبروں میں اعتبار نہیں۔ تو اس کا جواب باصواب یہ ہے کہ:۔

بیشک عبادات میں کفار کا قول معتبر نہیں لیکن معاملات میں معتبر ہے اور یہ تمام کتب فقہ میں مسطور ہے۔ پس اگر معاملات کے ضمن میں کوئی بات متعلق عبادات واقع ہو۔ تو وہ بلاشک معتبر ہے۔ یہ مسئلہ کسی قدر مثال طلب ہے اس لیئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا ایک نوکر کافر ہے اور چونکہ معاملات میں کافر کا قول معتبر ہے اس مسلمان آقا نے اس نوکر کافر کو کچھ پیسے دیئے کہ بازار سے گوشت لادے۔ جب وہ گوشت خرید کر واپس آیا تو اس نے اپنے مسلمان آقا سے کہا کہ " اشتریت من مسلم " یعنی یہ گوشت میں نے ایک مسلمان سے خریدا ہے اب یہ قول اس کا معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے مسلمان نے معتبر سمجھا۔ لیکن اس کے ضمن میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس نے جب مسلمان سے یہ گوشت خریدا ہے تو لامحالہ اس نے بالتسمیہ ذبح کیا ہوگا۔ پس یہ بات جو ضمنًا معلوم ہوئی ہے۔ عبادات سے تعلق رکھتی ہے مگر بوجہ ضمنًا واقع ہونے کے معاملات میں داخل کرکے اس کو معتبر کیا گیا ہے اور شرع

اجازت دیتی ہے کہ وہ گوشت خرید کردہ کافر مزے سے کھالو حلال اور طیب ہے
اس مسئلے کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ "تار" معاملات سے تعلق رکھتی ہے۔
اور اس لیے معتبر ہے۔ اور چونکہ اس کے ضمن میں ہم کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ
فلاں شہر یا قصبہ میں رویت ہوئی ہے تو اس کو ضرور بالضرور معتبر سمجھنا چاہیے
کیونکہ وہ معاملات کے ضمن میں واقع ہوئی ہے فافہم۔

تتمہ

حضرات ناظرین!! ہمارے مخالفین علماء کلکتہ جو آج کل مخالفت کے
ڈنکے بجا رہے ہیں۔ ہماری مخالفت سے قبل خود ہمارے موافق تھے اور درالمختار،
عالمگیری وغیرہ کی بنا پر صاف اس بارے میں فتوی دے چکے ہیں، چونکہ صرف ان کو
حضرت مولانا کی مخالفت منظور تھی، مخالفت کا اعلان کر بیٹھے، چنانچہ سرگروہ
مخالفین جناب قاضی حافظ عبدالشکور صاحب مرحبا ٹانڈوی اپنے رسالہ
"تائید ذوالمنن و طفیل رسول زمن" کے آخر میں جو غالباً جناب مولوی قادر علی صاحب
کے رد میں لکھا گیا ہے ایک فتویٰ تحریر فرماتے ہیں جو آجکل ہمارے موافق ہے۔
اسے دیکھ کر تعجب آتا ہے۔ ہم اس فتویٰ فارسی کو یہاں پر مع ترجمہ درج کرتے ہیں،
نقل کالاصل۔

استفتاء رویت ہلال رمضان۔ چہ میفرمایند علماء دین متین و مفتیان
شرع مبین اندریں صورت مثلاً در کلکتہ بتاریخ بست و نہم شعبان المعظم رویت
ہلال رمضان المکرم نگشت و در شہر دہلی شد پس بعد از ادار شروط شہادت رویت
ہلال از اصحاب دہلی برار باب کلکتہ روزہ واجب آید یا نہ؟ چنانچہ مولوی قادر علی

صاحب در وعظ خود فرمودہ اند کہ اگر مابین فاصلہ شانزدہ فرسخ باشد کہ ہر فرسخ
سہ کروہ انگریزی ست برار باب کلکتہ روزہ واجب نمی شود و اگر از اں اقل باشد
واجب شود عند الاستفسار بتحقیق و بتکرار بلیغ ہم چنیں گفتند۔ بینوا توجروا۔
السائل شیخ کریم بخش۔

الجواب واعظ مرقوم بالا دریں مسئلہ سراپا راہِ خطا پیمودہ و تکرار بیجا
نمودہ است و قید شانزدہ فرسخ محض بے اصل و کمال خلاف کتب فقہ بیان
کردہ۔ اصح اینست کہ از رویت ہلالِ اہل مغرب بعد از ادار شروط شہادت
رویت ہلال برارباب مشرق روزہ واجب شود، کما جاء فی فتاوی در
المختار شرح تنویر الابصار یلزم اهل المشرق برویة اهل
المغرب الخ وهکذا فی فتاوی عالمگیریه ولا عبرة لاختلاف
المطالع فی ظاهر الروایة کما فی فتاوی قاضی خان الخ انتهی
هکذا احکم الکتاب۔ واللہ اعلم بالصواب۔
المجیب ———————————
محمد عبد الشکور مرحبا حنفی عفی عنہ   ھو المصوب
ما اجاب الفاضل الاریب فی العالم اللبیب مد للامن الکتاب فهو
صحیح بلا ارتیاب من شک فیہ فقد خسر و خاب، واللہ اعلم بالصواب
کتبہ العبد المذنب الراجی الی اللہ محمد المدعو بعبد اللہ غفرہ
اللہ و وفقہ بما یحب و یرضاہ الخ

بگویم من ترا ایں نکتہ بے عیب   محمدٌ کان عبد اللہ لاریب

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ

والتابعین لهم باحسان یوم الدین - وبعد فانی وقفت علی ما اجاب الفاضل الادیب والعالم اللبیب دلائله هذه من الکتاب صحیحه لا شک فیها ولاریب فجزاه الله عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء ووفقناه وایاه لاتباع سنة خیر الوری محمد صلعم - الراقم المذنب الفقیر المعترف بالذنوب والتقصیر محمد ابن جعفر علی المدنی عفی الله عنه -

الجواب صحیح — الجواب صحیح

والمجیب نجیح کتبنا محمد ہدایت اللہ مدرس — لاریب فیہ، محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ

الجواب صحیح — الجواب صحیح — یہ جواب صحیح ہے

کتبہ محمد حسین علی عفی عنہ — لاشک فیہ محمد فتح علی عفی عنہ — محمد رمضان عفی عنہ

اس فارسی فتویٰ کا خلاصہ اردو میں درج ذیل ہے

ہلال رمضان کے بارے میں استفتاء

علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً ۲۹ شعبان المعظم کو رویت یہاں نہیں ہوئی مگر شہر دہلی میں ہوئی پس جس وقت کہ شہادت معتبر شرعی پہنچ جائے اس وقت اہل کلکتہ پر روزہ واجب ہوا یا نہیں کیونکہ ایک مولوی صاحب اپنے وعظ میں سولہ فرسخ کی قید لگا کر فرماتے ہیں کہ اگر سولہ فرسخ سے فاصلہ کم ہے تو بے شک اہل کلکتہ پر روزہ واجب ہو سکتا ہے ورنہ واجب نہیں ہوتا- اور اس پران کو بڑا زور ہے، آپ جواب بیان فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے گا-

جواب یہ ہے کہ واعظ صاحب نے اس مسئلے میں بالکل راہ خطا اختیار کی ہے

سولہ فرسخ کی قید غلط اور خلاف فقہ ہے- بڑی سچی اور صحیح بات یہ ہے کہ مشرق والوں کی رویت ہلال سے مغرب والوں پر اگر شہادت کے شروط ادا ہوں، روزہ واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ فتاوی درالمختار میں جو تنویر الابصار کی شرح ہے لکھا ہے، اہل مشرق پر اہل مغرب کی رویت سے روزہ لازم آجاتا ہے اگر ان پر ثابت ہو جائے اور اسی طرح فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں ہے مغرب والے اگر چاند دیکھیں تو بشرط شروط خبر معتبر مشرق والوں پر روزہ واجب ہو جاتا ہے اور اسی قول پر فتوی ہے-

المجیب ——— (جواب دینے والا)

محمد عبد الشکور مرحبا حنفی عفی عنہ

جو جواب کہ جناب عالم فاضل مولوی عبد الشکور صاحب نے دیا ہے، بالکل صحیح ہے اس میں کچھ شک نہیں جو اس میں شک کرے فقط خسر و خاب راقم بندۂ گنہگار محمد مدعو بہ عبد اللہ- بعد حمد و نعت واضح ہو کہ جو جواب کہ عالم فاضل مجیب نے دیا ہے وہ بالکل صحیح اور حق ہے، اس میں کچھ شک نہیں اللہ تعالیٰ جواب دینے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے- راقم بندہ گنہگار خطاوار محمد ابن جعفر علی عفی عنہ،

جواب صحیح اور حق ہے، جواب صحیح ہے جواب صحیح ہے، جواب صحیح اور حق ہے

محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ، محمد ہدایت اللہ مدرس، محمد حسین علی عفی عنہ محمد فتح علی عفی عنہ

یہ جواب صحیح ہے-

محمد رمضان عفی عنہ

اب دیکھیے کہ اس فتوی میں جناب مرحبا صاحب نے صاف لکھ دیا ہے- کہ قید شانزدہ فرسخ محض بے اصل و کمال خلاف کتب فقہ ہے اور یہی ہمارا

قول ہے کہ مشرق کا مغرب پر اور مغرب کا مشرق پر اعتبار رہے مگر خدا جانے کیا سبب ہے کہ یہی مولوی مرحبا صاحب فی الحال ہمارے مخالف ہو گئے لیکن ہمیں امید قوی ہے کہ وہ جب غور فرمائیں گے تو ضرور اس انوکھے مسئلے سے رجوع فرمائیں گے جیسا کہ اہل حق کا طریقہ رہا ہے۔ اس مسئلے کے منکرین اور مخالفین کے لیے اگرچہ ہم نے کچھ بھی نہیں لکھا اور سوائے غوری اور نافہمی کے کچھ لکھ ہی نہیں سکتے۔ لیکن مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب اس فتوی میں چونکہ تحریر کر چکے ہیں اس لیے ہم نقلاً انھیں کی عبارت لکھے دیتے ہیں "من شك فيه فقد خسر وخاب"

اب ہم نے اختصار کے ساتھ تار کے مسئلے کو اور اس کے قبل اختلاف المطالع کے غیر معتبر ہونے کے مسئلے کو نہایت عمدگی سے ثابت کر دیا ہے جو ایک منصف شخص کے لیے کافی اور شافی ہے۔ اگر ہمارے معزز مخالفین "چشم انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے تو بلاشک اپنے مسئلے سے رجوع فرمائیں گے۔ اور ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا وترحمنا کا وظیفہ ورد زبان کریں گے ورنہ تعصب نفسانیت اور ہٹ دھرمی کے لیے یہ چند سطر تو کیا حقیقت رکھتی ہیں دفتر کے دفتر ناکافی اور غیر شافی ہیں۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔ یا رب العٰلمین۔

راقم خادم الطلبہ ابوالکلام آزاد ثبت اللہ علی طریق لاامداد وقعہ اللہ نجس الاعتقاد۔ دہلوی۔

(ارمغانِ آزاد۔ ص ۱۷۱ تا ۱۷۲)

مولانا خیر الدین کے مسلک سے ابوالکلام کا انحراف

ابوالکلام اپنے آبا کے سلسلہ علم وارشاد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی "حق گوئی وحق پرستی اور طریقِ استقامت وعشقِ حق میں سرفروشی وجاں سپاری اور مغروران تاج وتخت وبندگانِ مال وجاہ کے مقابلے میں بے نیازی وسرگرانی" کو اپنے اسلاف کا ورثہ قرار دیتے ہیں۔ (۸۴) لیکن ایک تو اپنے سلسلہ نسب کو قابلِ فخر گردانے کے حق میں نہیں ہیں اور دوسرے ان کی راہوں کے راہی نہ رہنے کو اعزاز سمجھتے ہیں۔ "تذکرہ" کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ "الحمد للہ اس تمام عمر میں جو گزر چکی ہے' ایک لمحہ کے لیے بھی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ نسب فروشی کی دکان آراستہ کر کے نقد عزت و شرف کی جستجو کی جائے.......... انسان کے لیے معیار شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم وعمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایاتِ پارینہ اور نسب فروشی کا غرورِ باطل۔ ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں' نہ کہ اپنی عزت کے لیے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں۔ اربابِ ہمت نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے اور عظمت ورفعت کی تعمیر صرف اسی سامان سے کی ہے جو خود ان کا بنایا ہوا تھا.......... حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرتی ترقی اور قدرتی حقوق کے قیام کے لیے نسب وخاندان کے امتیازِ باطل سے بڑھ کر اور کوئی روک نہیں ہو سکتی۔ یہی چیز ہے جو انسان کو اس کی ذاتی قوتوں کے استعمال اور ان کے اثرات سے محروم رکھنا چاہتی ہے اور اس خلافِ فطرت راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ ایک شخص کو باوجود عدمِ استحقاقِ ذاتی' مستحقِ شرف سمجھا جائے اور دوسرے کو باوجودِ استحقاقِ ذاتی محروم کر دیا جائے.......... پس الحمد للہ کہ نہ اس کی طلب ہے اور نہ اس پر اعتماد اور نہ نااہلوں کے اس فریبِ عزت اور سرابِ شرف کی ضرورت۔" (۸۵)

اصل معاملہ ابوالکلام کے نسب پر افتخار کا نہیں' بلکہ ان کی راہ سے فرار اور "روایاتِ پارینہ" سے انحراف کا ہے۔ اگر لوگ مولانا خیر الدین اور ان کے بزرگوں کے حوالے سے ابوالکلام کو پہچانتے تو مذہبی "تجدّد" کا شکار ہونے پر ان کے خلاف بات کرتے۔ ابوالکلام نے آبائی عزت و شرف پر عدمِ اعتماد اپنی راہ خود نکالنے اور ذاتی قوتوں کو استعمال کرتے ہوئے نیا مذہبی مسلک اختیار کرنے کا استحقاق استعمال کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر یہ مولانا خیر الدین سے اپنی نسبی نسبت پر فخر

کرتے تو وہابیت کے قائل نہ ہوتے کہ ان کے والد نے تو اس موضوع پر دس جلدوں پر مشتمل
کتاب "نجم المبین لرجم الشیاطین" لکھ ڈالی تھی۔ اگر یہ اپنے والد کے علم وبصیرت کے
قائل رہتے تو انھیں ایمان آباءِ حضورﷺ کا قائل ہونا پڑتا کہ والد نے اس موضوع پر ۶۰۷ صفحات
کی ایک کتاب لکھی تھی۔ اگر یہ والد کے راستے کو حق سمجھتے تو ہندو مسلم اتحاد کو برحق ثابت کرنے کے
لیے قرآن واحادیث کے احکام کو تاویلات کے زور سے "جامع الشواہد" کی صورت نہ دیتے۔ اور
کانگریس کے "شو بوائے" کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے، مسلمانوں کے لیے علیحدہ ملک کے
حصول کے خلاف اپنی ساری "ذاتی قوتیں" استعمال نہ کرتے۔

مولانا خیرالدین کا روایت شکن فرزند

خود ابوالکلام نے لکھا۔ "میں نے ہوش سنبھالتے ہی ایسے بزرگوں کو اپنے سامنے پایا
جو عقائد وافکار میں اپنا ایک خاص مسلک رکھتے تھے اور اس میں اس درجہ سخت اور بے لچک تھے کہ
بال برابر بھی اِدھر اُدھر ہونا کفر وزندقہ تصور کرتے تھے۔ میں نے بچپن سے اپنے خاندان (۸۶)
کی جو روایتیں سنیں، وہ بھی سرتاسر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اور میرا دماغی ورثہ اس تصلّب اور
جمود سے بوجھل تھا جو چاروں طرف سے قدامت پرستی اور تقلید کی چاردیواری میں گھرا ہوا تھا اور
باہر کی مخالف ہواؤں کا وہاں تک گزر ہی نہ تھا۔ والد مرحوم کے علاوہ جن اساتذہ سے تحصیل کا
اتفاق ہوا، وہ بھی وہی تھے جنھیں والد مرحوم نے پہلے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیا تھا کہ ان کے
معیارِ عقائد وفکر پر پورے پورے اتر سکتے ہیں اور یہ معیار اس درجہ تنگ اور سخت تھا کہ ان کے
معاصروں میں سے خاص خاص اشخاص ہی کی وہاں تک رسائی ہو سکتی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ اس
دروازہ سے بھی کسی نئی ہوا کے گزرنے کا امکان نہ تھا۔ جہاں تک زمانے کے فکری انقلابات کا تعلق
ہے، میرے خاندان کی دنیا وقت کی راہوں سے اس درجہ دور واقع ہوئی تھی کہ ان راہوں کی کوئی صدا
وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی اور اس اعتبار سے گویا سو برس پہلے کے ہندوستان میں میں زندگی بسر
کر رہا تھا۔ میری سوسائٹی اور اوائلِ عمر میں گھر کی چاردیواری کے اندر محدود رہی اور گھر کے
عزیزوں اور بزرگوں کے علاوہ اگر کوئی دوسرا گروہ ملا بھی تو وہ خاندان کے معتقدوں اور مریدوں کا
گروہ تھا......... والد مرحوم کے مریدوں میں ایک بڑی تعداد علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص

کی بھی تھی۔ دیوان خانہ میں اکثر ان کا مجمع رہتا مگر یہ پورا مجمع بھی سراسر اسی خاندانی رنگ میں رنگا
ہوا تھا۔ کسی دوسرے رنگ کی وہاں جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی تھی......... مجھے اچھی طرح یاد ہے
کہ ابھی پندرہ برس سے زیادہ عمر نہیں ہوئی تھی کہ طبیعت کا سکون ہلنا شروع ہو گیا تھا اور شک وشبہ
کے کانٹے دل میں چبھنے لگے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جو آوازیں چاروں طرف سنائی دے رہی
ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہونا چاہیے اور علم وحقیقت کی دنیا صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی سامنے آ
کھڑی ہوئی ہے۔ یہ چبھن عمر کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ چند برسوں کے اندر
عقاید وافکار کی وہ تمام بنیادیں جو خاندان، تعلیم اور گردوپیش نے چُنی تھیں، بہ یک دفعہ متزلزل ہو
گئیں، اور پھر وہ وقت آیا کہ اس ہلتی ہوئی دیوار کو خود اپنے ہاتھوں ڈھا کر اس کی جگہ نئی دیواریں چُننی
پڑیں۔" (۸۷)

مقلّد باپ کا غیر مقلّد بیٹا

۱۲/اکتوبر ۱۹۴۲ء کی محررہ اس تحریر بصورتِ مکتوب میں ابوالکلام نے تقلید کے خلاف
زورِ قلم برتا۔ "انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک، اس کے تقلیدی عقاید ہیں۔
میں نہیں جانتا کہ کیوں مگر بار بار یہی سوال سامنے ابھرنے لگا کہ اعتقاد کی بنیاد علم ونظر پر ہونی چاہیے
تقلید اور توارث پر کیوں ہو؟ یہ گویا دیوار کی بنیادی اینٹوں کا ہل جانا تھا۔ کیونکہ موروثی اور روایتی
عقاید کی پوری دیوار صرف تقلید ہی کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ جب بنیاد ہل گئی تو پھر دیوار کب
کھڑی رہ سکتی تھی۔ کچھ دنوں تک طبیعت کی درماندگیاں سہارے دیتی رہیں لیکن بہت جلد معلوم ہو
گیا کہ اب کوئی سہارا بھی اس گرتی ہوئی دیوار کو سنبھال نہیں سکتا۔" (۸۸)

میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ "تذکرہ" میں خاندان کے شرفِ رفتہ کے بجائے اپنی
راہ خود نکالنے اور "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ" کی قرآنی آیت کی غلط تعبیر کرنے والے
ابوالکلام اصل میں توارث وتقلید کی عمارت کی بیخ کنی کو لفاظی کے پردے میں چھپا رہے تھے۔ وہ
دین ومذہب کے حوالے سے اپنے آبا کے مخالف ہو گئے تھے۔ اس لیے آبا سے اپنے تعلق کو
چھپانے کے لیے نسب فروشی کے غرور باطل سے بچنے کی بات کر رہے تھے۔ شرفا تو اپنی صلاحیتوں،
اپنے علم اور اپنی فتوحات کو اپنے والدین کے حسنِ تربیت کی دین قرار دیا کرتے تھے۔ ابوالکلام اس

دیوار کو ڈھا دینے پر مفتخر نظر آتے ہیں۔

آصف علی لکھتے ہیں کہ ''آپ (ابوالکلام) ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس کی مذہبی قدامت پسندی ضرب المثل تھی لیکن ان کی فطرتِ آزاد نے پُرانے ڈھرّے پر چلنا گوارا نہ کیا اور انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کا نئے سرے سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس انقلاب ذہنی کی پہلی جھلک ان کی خود نوشتہ سوانح عمری ''تذکرہ'' میں ملتی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے تیس برس کی عمر میں اپنی نظر بندی کے ایام میں لکھی تھی۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔ ''میرے لیے ناممکن ہے کہ میں کسی بات پر یقین لے آؤں جب تک میں اسے اپنی عقل کی کسوٹی پر نئے برے نہ پرکھ لوں۔'' (۸۹)

راہِ خیر الدین کے بجائے راہِ گاندھی

جب ابوالکلام کی فطرتِ آزاد نے پُرانے ڈھرّے کو چھوڑ دیا اور عقاید اور شعائرِ اسلام کو اپنی عقل کے تابع کر دیا تو متحدہ قومیت میں اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کو قلم زد کر کے سب کچھ ہندوؤں کے تابع کر دیا۔ کہ عقل تو پھر مفادات کی راہ ہی دکھاتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے کہا کہ .... ''مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حسی بلکہ سنگ دلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت ''امام الہند'' (ابوالکلام) کے حصے میں آیا تھا' وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔'' (۹۰)

ایک صاحب رشید احمد نے اپنے مضمون میں لکھا: ''آپ (ابوالکلام) کا وعظ و ارشاد حق کے لیے نہیں بلکہ طلبِ دنیا کے لیے ہو گیا ہے اور خود ان (کانگرسی امرا اور رؤسا) کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئے اور جس چیز کو کانگرسی امرا اور رؤسا کی خوشنودی کا ذریعہ دیکھتے ہیں' کہ دیتے ہیں اور جو ان کی خواہشوں کے مخالف پاتے ہیں' ترک کر دیتے ہیں۔'' (۹۱)

اسلام کا پرانا ڈھرّا یا اس کی نئی عقلی اور مفادی تعبیر

جب کوئی شخص راہِ راست کو چھوڑ کر عقل کے نام پر مفادات کی راہ اختیار کرتا ہے تو پھر یہ صورت بنتی ہے۔ ''مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے مدرسہ اسلامیہ دسمبر ۱۹۲۰ء میں قائم ہوا جس کے صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے .... رسمِ افتتاح مسٹر گاندھی نے ادا کی۔ اس موقع پر مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔'' (۹۲)

جس ہندو مسلم اتحاد کے داعی ابوالکلام بنے' اس کے لیے یہ مظاہر تو روزمرہ کی حیثیت لے گئے: ''ہیٹنگن گھاٹ میں نمازِ جمعہ کے وقت تخمیناً پندرہ سو ہندو مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر و دعا میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا'' (۹۳) ''مسجد قطب خانساماں (شملہ) میں ۱۵ راگست ۱۹۲۰ کو ہندو و مسلم اتحاد کا متحدہ جلسہ ہوا۔'' (۹۴) محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مضمون ''فاضلِ بریلوی کے رفقا کی سیاسی بصیرت'' میں ہے۔ ''گروہِ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لا کر منبرِ رسول ﷺ پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں جا بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔'' (۹۵) مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ہفت روزہ ''اہل حدیث'' امرتسر میں لکھا: ''(گاندھی جی) سب سے پہلے جامع مسجد شیخ خیر الدین مرحوم میں گئے جہاں ایامِ فساد میں مقتولوں کے جنازے پڑھے گئے۔ سنا ہے' موصوف نے محراب میں جا کر سجدہ کیا اور خادمِ مسجد کو گیارہ روپے بغرضِ خوراک غربا دیے۔'' (۹۶)

اس قسم کی حرکتوں سے تسلی نہیں ہوئی تو ابوالکلام نے ایک کتاب ''جامع الشواہد فی دخولِ غیر المسلم فی المساجد'' لکھ ماری جس میں غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا جائز قرار دیا۔ (۹۷) ہندو مسلم اتحاد' جس کے یہ برگ و بار تھے' ان متحدہ قومیت کے داعیوں کو یہاں تک لے گیا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے گاندھی کو امام عبداللہ بن مبارک جیسا کہا (۹۸) مولوی ظفر الملک الحق علی نے قرار دیا کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے'' (۹۹) اس پر منشی محبوب عالم مدیر روزنامہ ''پیسہ اخبار'' لاہور میں سخت اداریہ لکھا (۱۰۰) مولانا شوکت علی نے ۲؍جون ۱۹۲۰ء کے جلسے میں کہا ''الٰہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ ایثار و رفاقت کی نئی سپرٹ کو ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاگ یا سنگم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔'' (۱۰۱) جامعہ ملّیہ دہلی میں ڈاکٹر سیّد محمود (وزیر تعلیم صوبہ بہار) نے فرمایا: ''ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں جو ایک ہی وطن میں رہتی ہے۔ ان کو اپنی قومیت مٹا کر ایک ایسا مذہب بنا دینا چاہیے جو دونوں کا مشترکہ مذہب ہو۔'' یہی بات ڈاکٹر اشرف نے کہی۔ (۱۰۲)

گاؤ کشی جسے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ''شعائرِ اسلام میں سے'' قرار دیا تھا (۱۰۳) کے خلاف ظفر علی خاں' عارف ہسوی' حکیم اجمل خاں' سیٹھ حاجی جان محمد چھوٹانی (۱۰۴) مولانا

عبدالباری فرنگی محلی، ابوالکلام آزاد نے فتوے دیے اور بیان داغے کہ گائے کی قربانی نہ کی جائے۔

(۱۰۵) ''ابطالِ فتویٰ ابوالکلام'' میں پروفیسر مولوی حاکم علی نے لکھا: '' گائے کی قربانی جو اکبر کے ہندوؤں کے ساتھ ناتا رشتہ کرنے کے اثر کے سبب سے بند ہوگئی تھی اور جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بڑی کوششوں سے جہانگیر کے وقت جاری کرایا تھا کہ ہر ایک امیر نے اپنے دروازہ کے سامنے اپنی اپنی گائے کی قربانی کی تھی، اس کو جاری رکھا جائے۔'' (۱۰۶)

ابوالکلام کو اپنے والد مولانا خیر الدین اور دیگر آباؤاعزّہ کے مسلک سے اتنی دشمنی تھی کہ انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کے فراڈ کو سچ ثابت کرنے کے لیے قرآنِ مجید کو بھی استعمال کیا۔ اپنی تفسیر میں لکھا: ''اس (اسلام) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہیں۔'' (۱۰۷)

مولانا خیر الدین کی تعلیم و تربیت کی تغلیط کے بعد اپنی مفاد پرستانہ عقل کے سہارے ابوالکلام نے اسلام کی جو نئی تعبیر و تشریح کی، وہ ہندو لیڈروں کو خوش کرنے کے لیے تھی چنانچہ وہ خوش ہوئے۔ گاندھی نے ۱۹۳۱ء میں جامعہ ملّیہ دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات و سعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے۔ لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام شائع کرایا ہے۔'' (۱۰۸)

۸/ دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتاری کے وقت ابوالکلام نے مسلمانوں کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ ''اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک بھائی یا کسی ایک جماعت سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اسے بخش دیں اور اپنی جانب سے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اس مبارک اتفاق کو صدمہ پہنچے۔'' (۱۰۹) عقل اور مفادات نے انھیں آباؤاجداد کی راہوں سے ہٹا کر اس منزل پر پہنچایا کہ ''ان (ہندوستان کے ہندوؤں) کے ساتھ برّ و احسان اور نیکی اور ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی۔'' (۱۱۰) یہ تو الفاظ تھے، ان

کا معنی یہی رہا کہ مسلمان ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کریں اور ان کے تابع مہمل بنے رہیں۔

آزاد کی آزادہ روی اور اس کا نتیجہ

اپنے والدِ محترم مولانا خیر الدین کی تعلیم و تربیت کو مٹی میں ملا کر، ان کے رستے کو چھوڑ کر، اپنی عقل کے سہارے ابوالکلام نے اپنے لیے جو راہ متعین کی، اس کی خصوصیات میں سے ایک یہ رہی کہ ان کی اخلاقی حیثیت بھی متاثر ہوئی۔ عبدالماجد دریابادی کا کہنا ہے: ''(ابوالکلام سے) بظاہر اچھے خوشگوار تعلقات تھے لیکن اندرونی حالات مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا عبدالباری ندوی اور دوسرے ندویوں سے جو معلوم ہوتے رہتے تھے اور جہاں ان کی ذہانت، طباعی، حاضر دماغی اور قوتِ حافظہ کی مدح و داد میں ہوتے تھے، وہیں ان کی دینی و اخلاقی حالت کی طرف سے کچھ اطمینان بخش نہ تھے اور غضب یہ تھا کہ خود مولانا شبلی بھی ان روایتوں کی کھل کر تردید نہیں کرتے تھے۔ راوی یوں بھی فی الجملہ ثقہ و معتبر ہی تھے۔ اب گویا مہرِ تصدیق لگ گئی اور اب دل میں وقعت عظمت پیدا ہونے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔'' (۱۱۱)

ابوالنصر آہؔ نے اپنے چھوٹے بھائی ابوالکلام کے خلاف محمد یوسف جعفری رنجورؔ سے کچھ باتیں کیں جن میں انھیں بداعمال، بدمذہب، برگشتہ از خاندان، آوارہ، بُرے لوگوں کی صحبت میں رہنے والا، بدمعاش، دشمنِ خاندان اور بدنام کنندۂ خاندان وغیرہ کہا۔ اس سلسلے میں ابوالکلام نے جو خط رنجورؔ کو لکھا، اس میں کہا۔ ''ہاں۔ بھائی صاحب اور عرب صاحب نے جو اصول بدمعاش کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں، ان اصول کے موافق میں بیشک بدمعاشوں سے ملتا ہوں۔ مگر جب ان اصول کی صحت معرضِ بحث میں ہے تو پھر میں کیونکر اس امر کو تسلیم کرلوں کہ واقعی وہ علم دوست اشخاص بدمعاش ہیں۔'' (۱۱۲)

والد سے مختلف اختیار کردہ رستے کا حاصل

استاذی المکرّم ڈاکٹر سیّد عبداللہ ''اقبالؒ اور ابوالکلامؒ کے ذہنی فاصلے'' میں لکھتے ہیں کہ ''قادیانیوں کے متعلق اقبال کے خیالات سب کو معلوم ہیں مگر ابوالکلام کی کوئی متشددانہ رائے ان کے بارے میں ظاہر نہیں ہوئی۔ قتلِ مرتد کے مسئلے پر بھی یہی حال ہے۔ غرض اس نوع کے جملہ مسائل میں ابوالکلام کا میلان لبرل اور اقبال کا میلان متشددانہ ہے۔'' (۱۱۳)

۶/اپریل ۱۹۵۶ء کو ڈاکٹر انعام اللہ خاں سالاری پنشنر بلوچستان نے ابوالکلام کو لکھا:
''یہ مرزائی آپ کی طرف مختلف معاملات منسوب کرتے رہتے ہیں اور بعض حوالہ جات بھی دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً تذکرہ، وکیل وغیرہ۔ وہ کہتے ہیں، مولانا وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ کبھی کہتے ہیں، مولانا نے مرزا صاحب کی تعریف کردی ہے۔ براہِ کرم ایسی فیصلہ کن کتاب لکھ دیں کہ پھر بولنے کی جرأت نہ رہے۔'' ابوالکلام نے سائل کو جو جواب دیا' وہ جتنا مستور ہے' حقیقت میں اس سے زیادہ کھلا ہے۔ کہتے ہیں: ''وفاتِ مسیح کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ مرزا صاحب کی تعریف یا بُرائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لیے کہ:

تو بُرا ہے تو بھلا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ
وہ بُرا خود ہے کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہے (۱۱۴)

عبدالمجید سالک نے ''یارانِ کہن'' میں ابوالکلام کے ذکر میں لکھا تھا: ''مولانا ابوالکلام' مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی) کے دعویٰ مسیحیت موعود سے تو کوئی سروکار نہ رکھتے تھے لیکن ان کی غیرتِ اسلامی اور حمیتِ دینی کے قدردان ضرور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جن دنوں مولانا امرتسر کے اخبار ''وکیل'' کی ادارت پر مامور تھے اور مرزا صاحب کا انتقال بھی انھی دنوں ہوا تھا تو مولانا نے مرزا صاحب کی حمایتِ اسلامی پر ایک شاندار شذرہ لکھا۔ امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالے تک گئے۔'''' یارانِ کہن'' مطبوعاتِ چٹان لمیٹڈ لاہور نے چھاپی تھی۔ کوئی گیارہ برس بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو سالک صاحب فوت ہو چکے تھے۔ ناشر نے لکھا ہے کہ سالک صاحب ۲۳/اپریل ۱۹۵۶ء کے ''چٹان'' میں اس تحریر کی تردید و تصحیح فرما چکے ہیں۔ اس لیے مولانا غلام رسول مہر نے حسب تردید تصحیح فرمادی ہے۔ (۱۱۵)

سچ کا اخفا کب تک؟

اس طرح شورش اور غلام رسول مہر صاحبان نے بزعمِ خویش معاملہ ٹھیک کر دیا لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ سیّد انیس شاہ جیلانی اس مسئلے پر عبدالمجید سالک کے خطوط شائع کر کے معاملے کو پوری طرح ''بگاڑ'' چکے ہیں۔ جیلانی نے اپنی کتاب ''نوازش نامے'' میں اس موضوع پر لکھا

''ہفت روزہ'' دعوت لاہور اسے لے اڑا اور اپنی ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ کی اشاعت میں ''مسٹر عبدالمجید سالک کی بہتان طرازی'' عنوان باندھا اور لکھا............ آئندہ شمارے میں پس منظر یہ پیش کیا گیا کہ ''وکیل'' کا شذرہ مولانا کے قلم سے نہیں تھا' بٹالہ نہیں گئے۔ شورش سے التجائیں (الجھے اس ڈر سے نہیں کہ جواب ترکی بہ ترکی ملتا............) کہ یہ صفحات ہی کتاب میں سے اڑا دو............ دعوت کی تحریک پر مولانا آزاد کے سیکرٹری اجمل خاں کا ایک تردیدی ''چھٹا'' بھی آ گیا اور چٹان میں شائع بھی ہو گیا۔ ادھر سالک نے بھی ازراہِ مروت و رفعِ شر اپنے لکھے پر اصرار نہ ہونے کا اقرار نامہ چھپوا دیا۔ یاروں نے بزعم خود میدان مار لیا تھا لیکن سنجیدہ طبقہ سالک اور واقعات کو بخوبی جانتا تھا............ شورش جیسا غالی ابوالکلامی پوری ذمہ داری کے ساتھ ناشر کے فرائض انجام دے تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ جو کچھ سالک کے قلم سے نکلا' وہ حقائق کی واضح اور صحیح تصویر ہے............ اور مولانا' قادیانیوں کے باب میں آخر وقت تک رواداری ہی برتتے رہے۔ ہاں' دکھاوے کے لیے تردید بھی کر دی۔'' (۱۱۶)

''نوازش نامے'' مرتبہ سیّد انیس شاہ جیلانی میں سالک کا ۹ فروری ۱۹۵۶ء کا خط ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''میں نے جو کچھ لکھا ہے' وہ بالکل حقیقت ہے۔ وکفیٰ باللّٰہ شهیدا۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے بارہا لوگوں نے استفتا کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ مرزا قادیانی کو کافر قرار دیں لیکن انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ مرزا صاحب کافر نہیں' مؤوّل ضرور ہیں۔ اور مؤوّل کو گمراہ کہا جا سکتا ہے' کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا ابوالکلام جب اخبار ''وکیل'' کے ایڈیٹر تھے اور زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بیس سال کے تھے' مرزا غلام احمد کے انتقال پر ان کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے اور انھوں نے مرزا صاحب کے انتقال پر ''وکیل'' میں ایک تعریفی نوٹ لکھا جس کو مرزائی سیکڑوں دفعہ دہرا چکے ہیں لیکن مولانا نے کبھی اس کی تردید نہیں کی' نہ یہ لکھا کہ یہ نوٹ میرے قلم سے نہیں ہے............ میں نے جو کچھ دیکھا' لکھ دیا ہے۔ اس کے غلط یا صحیح ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں۔ (۱۱۷)

۱۳/فروری ۱۹۵۶ء کو انیس شاہ جیلانی کے نام اپنے دوسرے خط میں عبدالمجید سالک بٹالوی نے لکھا: ''مجھے شورش صاحب نے بتایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سیکرٹری مولوی اجمل خاں نے دو باتوں کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ مولانا' مرزا غلام احمد کے جنازے کے ساتھ

امرتسر سے بٹالہ تک نہیں گئے۔ تھے اور مرزا صاحب کے انتقال پر جو شذرہ ''وکیل'' میں چھپا تھا' وہ مولانا کا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ کوئی صاحب عبدالمجید کپورتھلوی تھے' انھوں نے لکھا تھا........اب میں کیا عرض کروں۔ مرزائیوں نے آج سے ۴۸ سال پہلے بیان کیا تھا کہ مولوی محی الدین احمد آزاد کلکتہ والے جو وکیل کے ایڈیٹر ہیں' انھوں نے بے حد ہمدردی کا اظہار کیا اور ہمارے ساتھ امرتسر سے بٹالہ تک گئے جب ہم مرزا صاحب کا جنازہ لے جا رہے تھے۔ اب اگر مولانا نصف صدی کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں تو میرے لیے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ سرِ تسلیم خم کر دوں۔ شذرہ کو شائع کر کے اس کو مولانا ابوالکلام سے منسوب کیا لیکن اس طویل مدت میں مولانا یا ان کے کسی قریبی نیاز مند نے اس کی تردید نہ کی حالانکہ اس وقت تردید کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ جب مولانا ''وکیل'' کے ایڈیٹر تھے تو اس کے ایڈیٹوریل صفحہ کے تمام مندرجات کی ذمہ داری لازماً انھی پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مجھے اپنی تحریر پر ہرگز اصرار نہیں۔ مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ گزشتہ چالیس سال سے جو قلبی و روحانی تعلق ہے' وہ مرزا غلام احمد یا احمدیوں سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ میں ایک مختصر سا کھلا مکتوب ''چٹان'' کے ذریعے سے پیش کر رہا ہوں جو غالباً آئندہ ہفتے کے چٹان میں شائع ہو جائے گا۔'' (۱۱۸)

۷/ مارچ ۱۹۵۶ کے خط میں مولانا سالک بٹالوی نے مزید لکھا: ''آج ربوہ سے مجھے یہ اقتباس موصول ہوا ہے۔ از آئینہ صداقت مرتبہ مفتی محمد صادق صاحب مطبوعہ جولائی ۱۹۰۸ء۔ نول کشور سٹیم پریس لاہور۔ ص ۱۱۳۔ ''مسلمان صاحبان نے بھی ایسا ہی شرافت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ مثلاً خواجہ یوسف شاہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ امرتسر' ایڈیٹر کرانیکل کلکتہ اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد جو ہمدردی کے اظہار میں اسٹیشن تک تشریف لائے........(وغیرہ)''۔ مجھے یاد تھا کہ مولانا اسٹیشن ہی تک تشریف نہیں لائے بلکہ گاڑی میں بیٹھ کر بٹالہ تک گئے۔ کم از کم ان کا بہ نیت اظہار ہمدردی اسٹیشن تک تشریف لانا تو مسلّم ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ امرتسر سے بٹالہ تک کا سفر بھی کسی نہ کسی ماخذ سے ثابت ہو جائے گا۔'' (۱۱۹)

۶/ اپریل ۱۹۵۶ء کو انھوں نے اپنے ایک اور خط میں جیلانی صاحب کو لکھا........
بہر حال میں تو اب اس بحث میں خاموش ہو چکا ہوں۔ مولویوں اور احمدیوں کو آپس میں بحث کرنے دیجیے۔ اصل معاملہ تو آپ کو لکھ ہی چکا ہوں۔'' (۱۲۰)

''تاریخ احمدیت'' میں ہے کہ ۵ مئی ۱۹۰۵ء کو ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی ابوالنصر آہ قادیان گئے اور ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء کو آزاد قادیان گئے (۱۲۱) سفرِ قادیان کے متعلق آزاد نے اپنے تاثرات لکھوائے تو بتایا کہ جمعہ کی نماز انھوں نے وہیں پڑھی۔ مولوی عبدالکریم امام تھے۔ مرزا صاحب صف سے آگے' مگر امام سے دو انچ پیچھے تنہا کھڑے رہے........لوگوں نے مجھے پہلی صف میں جگہ دی (۱۲۲)

''نازشِ فرزندانِ تاریخ''

مرزا صاحب کی وفات پر ابوالکلام نے ''وکیل'' امرتسر میں ایک طویل اداریہ لکھا: ''وہ شخص' وہ بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو........مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے اور مٹانے کے لیے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالے کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو' ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں' دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔'' (۱۲۳)

تحفظ ناموسِ رسالت کی ایک تشریح؟

مرزا صاحب کی طرح دوسری ''نازشِ فرزندانِ تاریخ'' شخصیت ابوالکلام کی رہی کہ وہ بھی دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا گئے۔ ابوالکلام کے والد نے ساری زندگی اپنے آقا حضور ﷺ کی عزت و تکریم میں زبان کھولی اور قلم اٹھایا اور ان ''فرزندِ دلبند'' نے کتاب ''رنگیلا رسول'' کے حوالے سے بڑی طول طویل خامہ فرسائی کے بعد جو نتیجہ نکالا اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ان کے ایک ''عزیز طالبِ حق'' ہندو نے انھیں لکھا تھا کہ ''جمعیت العلما'' نے ''رنگیلا رسول'' لکھنے والے کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ اس پر ابوالکلام نے جمعیت العلما کی بریت کے لیے کہا۔ ''کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی اعلانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جماعت نے یا انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔'' (۱۲۴)

''مولانا'' ابوالکلام کتاب ''رنگیلا رسول'' کی اشاعت کو ناموس رسول ﷺ کے خلاف

تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے ناشر کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے
واصلِ جہنم کیا تھا۔ مولانا خیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے غیرت مند باپ کے یہ ''مولانا'' بیٹے
تحفظِ ناموسِ رسالت کے اس مسئلے کو سمیٹتے ہوئے ''خلاصۂ بحث'' میں لکھتے ہیں: ''یقیناً حکومت اور
قانونِ وقت کا فرض ہے کہ اس قسم کی دل آزار تحریروں کی اشاعت جائز نہ رکھے اور جائز نکتہ چینی اور
مذہبی دل آزاری میں امتیاز کرے لیکن میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ طریقِ عمل پسند نہیں کر سکتا کہ
مسلمان اپنی طبیعت اس انداز کی بنالیں کہ جہاں کسی ٹٹ پونجیے نے ایک چار ورقی رسالہ چھاپ کر
شائع کر دیا' ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمان شور و واویلا مچانا شروع کر دیں
کہ اسلام کی کشتی غرق ہوگئی اور تحفظِ ناموسِ رسول (ﷺ۔ محمود) کا سوال پیدا ہو گیا۔ نعوذ باللہ۔
اگر چند جاہل اور کور چشم انسانوں کے بکواس کر دینے سے ناموسِ رسول ﷺ کی حفاظت کا سوال
پیش آسکے۔ یا اسلام اور مسلمانوں کے لیے یہ کوئی مصیبت ہو' ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور
مسلمانوں کی مذہبی خودداری کے اس درجہ خلاف ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کیونکہ (کہ) ایک مسلمان
اس کا تصور بھی کر سکتا ہے۔ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی' اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی
چھاپ دیے جائیں' جب بھی نعوذ باللہ اسلام اور داعیِ اسلام (ﷺ) کے ناموس کے تحفظ کا کوئی
سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔'' (۱۲۵)

ابوالکلام کے کہنے پر حکومت اور قانونِ وقت نے ایسی کتابوں کی اشاعت کو تو
''ناجائز'' نہ کیا البتہ غازی علم الدینؒ کو شہید کر دیا۔ ان ''مولانا'' نے جس ہندو عزیز کے سوالنامے
کے جواب میں یہ زندہ رہنے والی تحریر لکھی' اس نے ''الصارم المسلول'' کا حوالہ بھی دیا تھا لیکن
ابوالکلام اپنے امام ابنِ تیمیہ کی اس کتاب کو اپنے اس جواب میں زیر بحث ہی نہیں لائے۔ آج
تحفظِ ناموسِ رسالت کے نام پر اپنی دکانداریاں چمکانے والوں میں کوئی شخص یا جماعت ایسی نہیں
جو اس **ضمن میں** ابوالکلام کی اس تحریر کے حوالے سے انھیں مطعون کر سکے لیکن مولانا خیر الدین
دہلویؒ کی روح اپنے اس ناخلف بیٹے کے افکار پر کیسے کیسے نہ تڑپتی ہوگی۔ عقیدت میں غلو کیا کیا
رنگ دکھاتا ہے' محولہ بالا عبارت دوبارہ پڑھ کر ابوالکلام کے بارے میں شورش کی رائے دیکھیے:
''(آزاد) عربوں میں ہوتے تو ابنِ تیمیہ ہوتے' ہندوؤں میں ہوتے تو اب تک ان کے بت
پجتے ہوتے لیکن وہ مسلمانوں میں تھے...... (۱۲۶) بھائی! ابنِ تیمیہ کی ''الصارم المسلول'' اور

ابوالکلام کی محولہ بالا رائے میں تو بُعد المشرقین ہے اور وہ مسلمانوں میں ہوتے ہوئے بھی
ہندوؤں ہی میں رہے اور اسلام کی ہندوانہ اور کافرانہ تعبیر و تشریح میں مصروف رہے۔

ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ ابوالکلام نے اپنے والد کے حالات سے مجرمانہ اغماض
برتا ہے۔ اب اس کا سبب قارئین کی سمجھ میں آ گیا ہو گا۔ اپنے آقا حضور ﷺ سے والہانہ محبت
کرنے والے والد کی ایسی اولاد جو والد کے ممدوح' کائنات کے ممدوح' سب کائناتوں کے لیے
رحمت بنا کر بھیجے جانے والی ہستی (ﷺ) کے بارے میں ایسے ''سنہری'' خیالات رکھتی ہے' وہ
اپنے والد کو کیا سمجھتی ہے۔ ابوالکلام کے خصوصی معتمد اور رفیقِ کار عبدالرزاق ملیح آبادی نے لکھ ہی
دیا: ''وہ ابوالکلام آزاد جو اپنے والد کے مسلک کو بھی برملا غلط قرار دے چکے تھے۔'' (۱۲۷)

نہرِ زبیدہ کی مرمت کا ذمہ

مولانا خیر الدین دہلوی کو مکہ کی نہرِ زبیدہ کی مرمت کا خیال پیدا ہوا جو ملکہ زبیدہ کے نام
پر بنائی گئی تھی۔ چنانچہ ان کی ذاتی کوششوں سے اس کام کے لیے گیارہ لاکھ روپیہ چندہ اکٹھا ہو گیا۔
(۱۲۸) اس کی تفصیل یوں ہے: ''حجاز میں نہرِ زبیدہ کو حجاج کے ہاتھوں پانی فروخت کرنے کے
لالچ میں بدوؤں نے جگہ جگہ سے توڑ پھوڑ کر ویران کر دیا تھا۔ وہ حجاج کو پانی کا مشکیزہ دو دو ریال
میں فروخت کرتے اور دولت کماتے تھے۔ ایک سال پانی کی نایابی کے باعث ہزاروں آدمی مر
گئے۔ مولانا خیر الدین نے قصرِ سلطانی کو متوجہ کیا مگر مصر سے دولتِ عثمانیہ کی جنگ ہو رہی تھی' کوئی
شنوائی نہ ہوئی۔ انھوں (مولانا خیر الدین) نے اپنے طور پر چندہ جمع کر کے نہر کی مرمت کا بیڑا
اٹھایا۔ حاجی عبدالواحد اور حاجی زکریا نے دو لاکھ روپیہ دیا۔ حسنِ اتفاق سے جدہ میں نواب کلب
علی خاں (رامپور) اور نواب عبدالغنی خان (ڈھاکہ) موجود تھے۔ اوّل الذکر سے پانچ لاکھ اور
ثانی الذکر سے ایک لاکھ روپیہ لیا۔ ہندوستان سے انجینئر بلوائے۔ تین انگریز اور پانچ ہندوستانی
آئے۔ انگریز جدہ میں ٹھہرے۔ دولتِ عثمانیہ کو معلوم ہوا تو اس نے بھی دو ترک انجینئر بھیج دیے۔
ادھر چندہ تیز رفتاری سے جمع ہونے لگا۔ عزیزِ مصر نے بھی ایک معقول رقم بھجوائی۔ ایک روایت
کے مطابق کوئی ۲۹ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا (یہ آج کے ۲۹ لاکھ نہیں)۔ کوئی سات آٹھ لاکھ روپیہ خرچ
ہو چکا تو معلوم ہوا' باقی رقم شریفِ مکہ نے ہضم کر لی ہے۔ نتیجۃً نہر کی درستی (؟) دیرپا نہ ہو سکی۔

مولانا خیرالدین کو دوبار ''تمغۂ حمیدی'' ملا۔ اس فنڈ کی روداد مولانا خیرالدین نے بمبئی سے چھپوا کر دولتِ عثمانیہ میں تقسیم کرائی تو شریفِ مکہ مخالف ہوگیا۔ وہ انھیں کسی آزار میں پھانسنا چاہتا تھا لیکن قسمت نے اس سے پہلے ہی اس کی زندگی ختم کردی اور وہ اچانک وفات پاگیا۔'' (۱۲۹)

مولانا خیرالدین کی علالت

مکہ میں ایک حادثہ میں ان کی بائیں ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہاں تسلی بخش علاج نہیں ہو سکا۔ اس لیے ۱۸۹۸ء میں مع اہل وعیال انھیں ہندوستان آنا پڑا۔ کلکتہ میں بہتر معالج موجود تھے۔ اس لیے انھوں نے وہاں قیام کرکے علاج کروایا۔ ہڈی تو جڑ گئی لیکن قدرے لنگ باقی رہا۔ (۱۳۰)

اہلیہ اور بڑے بیٹے کا انتقال

کلکتہ آنے کے ایک سال بعد ہی انھیں ایک بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۸۹۹ء میں ان کی رفیقۂ حیات نے داغِ مفارقت دیا جو مانک تلہ کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ (۱۳۱) ابوالکلام نے لکھا: ''کلکتہ پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ میری والدہ یکایک سخت بیمار ہوگئیں اور بیماری کے دو ہفتے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ والدہ کا انتقال ایسا نہیں تھا جو والد کو نہایت ملول نہ کرتا۔ بہت غمگین رہے، نہایت ملول ہوئے۔ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ پھر ہوا لیکن بعض مذہبی بحثوں کے چھڑ جانے اور والدہ کے مزار کے تیار کرنے کے خیال نے رکاوٹ پیدا کر دی۔'' (۱۳۲)

مولانا حجاز واپس جانے کے ارادے سے بمبئی گئے۔ لیکن وہاں معتقدین نے کافی دنوں روکے رکھا۔ بہزار دقت وہ مکہ گئے لیکن جلد لوٹ آنا پڑا کیونکہ بمبئی میں تعمیرِ مسجد کی غرض سے قطعۂ اراضی خرید لیا تھا۔ اسی منصوبے کی تکمیل کے لیے جلد لوٹ آئے۔ جب تعمیر کا کام شروع ہو گیا تو خیال تھا کہ یہ ذمہ داری اپنے بڑے بیٹے ابوالنصر غلام یٰسین آہ کو سونپ کر خود حجاز چلے جائیں۔ ان کی طبیعت پر عہدِ شباب کی لاابالی اور وارستگی طاری تھی۔ وہ سفرِ بلادِ اسلامیہ پر چلے گئے اور مسجد کی تعمیر کی نگرانی مولانا خیرالدین کو کرنی پڑی۔ ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ابوالنصر غلام یٰسین سخت مہلک مرض کی حالت میں واپس آئے۔ بمبئی میں علاج ہوا لیکن مفید ثابت

نہ ہوا تو کلکتہ لے آئے جہاں انھوں نے ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا۔ (۱۳۳)

مولانا خیرالدین کی وفات

ابوالنصر کی جواں مرگی نے مولانا خیرالدین کو نیم جاں کردیا۔ بیمار پڑ گئے اور ۱۷ رجب ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۵ اگست ۱۹۰۸ء بعمر ۷۷ سال انتقال فرمایا اور مانک تلہ کے قبرستان میں اپنی اہلیہ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان کے مرید ہر سال ۱۷ رجب کو ان کا عرس کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۴ء کے بعد بوجوہ یہ سلسلہ باقی نہ رہا (۱۳۴) حمیدہ سلطان نے لکھا کہ قبرستان کے آخری حصے میں مرمریں گنبد کے نیچے حضرت مولانا (ابوالکلام) کی والدہ مرحومہ اور والد حضرت شاہ خیرالدین صاحب کے مزار ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے چار مرید پائینتی سر جھکائے بیٹھے تھے۔'' (۱۳۵)

تعزیت

پروفیسر سیّد شفقت رضوی تحریر کرتے ہیں کہ ''ان کے انتقال پر دنیا کے دور دراز حصوں سے تعزیت کے جو پیام آئے، ان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کا حلقۂ ارادت کتنی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جنوبی افریقہ، ٹرانسوال، زنجبار، سیلون، برما، جاوا، سنگاپور، ہانگ کانگ، حجاز، شام، مسقط وغیرہ ان تمام مقامات میں جب اطلاع پہنچی تو بعض مقامات پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی جیسے حرمِ کعبہ میں اور بعض میں تعزیت کے جلسے ہوئے جیسے ٹرانسوال میں۔ اور ان کی روداد اس وقت کے تمام اخبارات میں شائع ہوئیں۔ مقامی اینگلو انڈین اخبارات نے اعتراف کیا تھا کہ ان کے جنازے میں جو ہجوم تھا، اس سے ان کے مخفی اثر کا پتا چلتا ہے جس سے لوگ بالکل بےخبر تھے۔'' (۱۳۶)

اولاد

ان کی تین بیٹیاں خدیجہ بیگم (جو جوانی میں انتقال کر گئیں) فاطمہ بیگم آرزو، حنیفہ بیگم آبرو اور دو بیٹے ابوالنصر غلام یٰسین آہ اور ابوالکلام محی الدین احمد آزاد تھے۔

عادات وخصائل

شورش کاشمیری لکھتے ہیں: ''مولانا آزاد کی روایتوں کے مطابق مرحوم (مولانا خیرالدین) ایک ڈھلے ڈھلائے انسان تھے۔ ان سے وقت لیے بغیر ملنا مشکل تھا۔ عمر بھر کسی امیر د

رئیس کی تعظیم نہ کی۔ بلکہ متبحر علما و جید اساتذہ کے سوا، اور کسی کی تعظیم میں کبھی کھڑے نہ ہوئے۔ امرا کی دعوت کبھی قبول نہ کرتے لیکن غربا کے ہاں ہو آتے۔ جس بات کو حق سمجھتے، وہ بے دریغ کہہ گزرتے۔ جز خوفِ خدا اور کوئی خوف ان کے بدن اور روح میں نہیں تھا۔ فرماتے، امیروں سے غرور اور غریبوں سے عجز صحیح اور عادلانہ اخلاق ہے۔ طبیعت کے غنی اور ہاتھ کے سخی تھے۔ نفاست پسندی کے شیفتہ تھے۔ عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے اور قیمتی سے قیمتی عطر لگاتے۔ آخر عمر میں موتیابند اتر آیا تھا۔ کئی برس تک ایک ہی آنکھ کام دیتی رہی۔ پھر اس کی بینائی بھی مدھم پڑ گئی۔ سفر میں کتابوں کے دس پندرہ صندوق ساتھ رکھتے۔ کتابوں پر اچھی سے اچھی جلدیں بندھوانے کا بے حد شوق تھا۔ کوئی جلد ناقص بندھ جاتی یا کتاب کاٹنے میں غلطی ہو جاتی تو دوسرا نسخہ منگواتے، خواہ اس میں کتنی ہی رقم اٹھ جاتی۔ عُسر ہو کہ یُسر، کتابیں خریدنے کا شوق تھا۔ اُردو کتابوں سے بالکل رغبت نہ تھی۔ کشمیری شالیں اوڑھنے کے شائق تھے۔ قالین، دریاں، ہاتھی دانت اور صندل کی اشیا خرید خرید کر جمع کرتے۔ یہ گویا ان کی ہابی تھی۔" (۱۳۷)

مولانا خیرالدین شاعر تھے یا نہیں تھے؟

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری "مولانا آزاد کی شاعری" میں رقم طراز ہیں: "مولانا نے اتنی چھوٹی عمر میں شاعری شروع کی اور پھر عمر کو دیکھتے ہوئے شعر بھی اچھے نکالنے لگے۔ شاعر کی حیثیت سے ایک خاص حلقے میں ان کی شہرت اور مشاعروں میں مقبولیت کی وجہ بھی میرے خیال میں اس کم عمری میں اچھے خاصے شعر کہہ لینے کی صلاحیت تھی۔ لیکن کئی لوگ ایسے بھی تھے جو یقین نہ کرتے تھے کہ جو کلام مولانا مشاعروں میں سناتے ہیں، وہ ان کا اپنا ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مولانا کے والد شاعر ہیں، وہ انھیں کہہ دیتے ہوں گے جسے یہ اپنے نام سے مشاعروں میں پڑھ دیتے ہیں۔" (۱۳۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خیرالدین شاعر کے طور پر معروف تھے اور بعض سخن گو و سخن فہم حضرات ابوالکلام کے کلام کو مولانا خیرالدین کا کلام سمجھتے تھے۔ لیکن عبدالوحید خاں نے "نقشِ آزاد" (۱۳۹) کے حوالے سے ابوالکلام کی طرف سے والد کے شاعر ہونے کی تردید لکھی ہے۔ "ایک دن دُکان میں بیٹھا تھا کہ نادر شاہ آ گئے اور مجھ (ابوالکلام) سے کہنے لگے۔

صاحبزادے میاں! آپ کی شاعری کی تو بڑی دھوم ہے لیکن لوگ کہتے ہیں، حضرت مولانا (یعنی والد مرحوم) کا کلام ہوگا۔ میں نے کہا، شاید آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت شاعری نہیں کرتے اور اگر انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے یہ خبط ہوا ہے تو سخت ناراض ہوں۔" (۱۴۰)

"ہونہار بروا" تو لڑکپن ہی سے شعر کہہ رہے تھے۔ اس وقت جب ان کے والد بطور شاعر مشہور تھے مگر "ہونہاری" شاید یہ ہے کہ یہ ایسے میں بھی اپنے والد کی شاعری کو نہیں مانتے تھے۔ شاید اس لیے کہ اُن کی شاعری میں وہابیت سوزی کے مضامین کی کثرت ہے۔

مولانا خیرالدین کی نعت گوئی

پروفیسر سیّد شفقت رضوی نے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے پی ایچ ڈی کے مقالے سے مولانا خیرالدین کی عربی شاعری کا تذکرہ اور سیّد نور محمد قادری مرحوم کے شکریے کے ساتھ "حفظ المتین عن لصوص الدین" کی ایک اُردو نعت نقل کی ہے۔ (۱۴۱)

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے مقالے "برِصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری" میں ہے۔ (۱۴۲):

"مولانا خیرالدین کی کتب میں اُردو و عربی نثر میں مسائل پر بحث ہے مگر ان میں اُردو فارسی اور عربی اشعار کی اس قدر کثرت ہے کہ نثر و نظم پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اُردو شاعری پر مدرسانہ رنگ طاری ہے۔ فارسی قدرے ان اثرات سے پاک ہے مگر عربی شعرا اپنے پورے جلال کے ساتھ موجود ہے۔ ان کتب کے تمام عربی اشعار کو علیٰحدہ مرتب کیا جائے تو یقیناً ایک عمدہ متوسط حجم کا عربی دیوان تیار ہو سکتا ہے۔ مولانا عجمی شعراء کی طرح تخلص استعمال کرتے ہیں۔ خیوری اور خیرالدین کو موقع محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

مولانا خیرالدین ایک عالمِ دین اور مناظر تھے۔ اس لیے ان کی شاعری پر علم کا سایہ اور مناظرانہ روش کا پَرتو ہے۔ شعروں میں استدلال اور مخالفانہ نظریات کا رد اُن کی شعری خصوصیات میں سے ہے۔ یہ معروضی طرزِ ادا ہے لیکن چونکہ وہ عقیدت مند طبیعت رکھتے تھے، اس لیے خصائص شماری اور دلائل طرازی میں بھی دل کی بات کہتے ہیں اور ان کا جذبہ بار ہا دلائل کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری ہر دو پہلوؤں پر حاوی ہے۔ پھر یہ بھی پیشِ نظر

رہے کہ وہ یہ شاعری کسی دیوان شعر کے لیے تصنیف نہیں کر رہے بلکہ ایسی کتابوں میں درج کر رہے ہیں جن کے موضوعات مقرر ہیں۔ اس لیے شعر موضوع کی مناسبت لیے ہوئے ہیں۔ ایسی شاعری پر آورد کا شائبہ ہوا کرتا ہے اور بعض جگہوں پر یہ احساس گھمبیر بھی ہو جاتا ہے مگر عموماً ان کے شعر موضوع کی گرفت میں رہتے ہوئے بھی اپنا ایک وجود رکھتے ہیں اور انہیں بڑی آسانی سے اپنے سیاق سے الگ کر کے مستقل حیثیت دی جا سکتی ہے۔

مولانا کے شعری موضوعات میں حضور اکرم ﷺ کے خاندانی شرف، پیغمبرانہ خصائص اور ذاتی اوصاف کا تذکرہ شامل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تخلیقِ کائنات میں مرکزی حیثیت اور بے مثل انفرادیت کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ مثلیث کی نفی، خاندان میں کسی نقص یا کوتاہی کا ازالہ اس پر دلائل سے بعض اوقات جدلیت منہ زور ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں مناظرانہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خصائص نبویہ کے حوالے سے چند شعر ایضاحِ مقصود کے لیے کفایت کریں گے۔

باعثِ تخلیقِ کائنات:

عليک مدارُ الخلق اذ انتَ قُطبُه   وانتَ مَنارُالحق تعلُو و تَعدلُ
سرُّ الوجود و نكتةُ الدهر الذى   كلُّ الوجود بجودُه يَتَعَلَّقُ
و آنْتَ لهذا الكون علَّةُ كونه   ولولاكَ ما امتاز الوجودُ بِاكوانِ

آدم علیہ السلام سے قبل نبوت سے سرفرازی:

شمسٌ تقادمَ قبل اُدَم طلعُها
ابداً على اُفُقِ البقا لا تغرُبُ

سیّد البشر:

اللّٰهُ فَضَّلهٗ عَلٰى كُلِّ الوَرىٰ   فَهُو الحبيبُ و فَضلهٗ مشهورُ
و سيّدُ هذا الخلق من نسلِ آدم   واكرمُ مبعوثٍ الى الانس والجانِ

افضل الانبیاء:

محمدٌ ء المختارُ من هاشمٍ   افضلِ المرسلين بِلاَ الكلام
خيرُ النبيين الكرام نبيُّنا   بالنُّور فى العرشِ اسمُه مسطُورُ

مرکزِ کائنات و مصدرِ فیوضات:

مرکز کائنات و مصدر فیوضات:

اِنسانُ عَيْنِ الكَوْنِ مبلغُ سرِّه   قطبُ الكمال و غيثُهُ مُتَدَفِّقٍ
شمسٌ على قُطْبِ الكمال مُضِيئةٌ   بدرٌ على فلك العلا سَيَرانُه
الكلُّ فيه و منه كان و عنده   تفنى الدهُورُ و لم تزل اَزْمانُه

شمائلِ رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے بعض کا حوالہ دیتے ہیں مثلاً

اوفی الوریٰ:

اَوفى الورىٰ ذِمَمًا اَسماهُمْ هِمَمًا
اَعلاهم كرمًا جلَّتْ مناقبُهٗ

نورِ حکمت، بحرِ علم:

نورٌ من الحِكَم لا تَخبُوا سو اِطعُهٗ
بحرٌ مِنَ العلمِ لَاَ تَفْنٰى عجائبُه

کامل الخَلق و الخُلق:

هو المُكملُ فى خَلْقٍ و فى خُلُقٍ
زكَتْ حلاهُ كما طابَتْ مناسبُه

الغرض صاحبِ محامدِ لامحدود:

محامدُ المصطفٰى لاينتهى ابداً
تعْدادها هل يُعَدُّ القطرَ حاسبُهٗ

مولانا خیرالدین کی کتاب "درج الدرر البهية" کا موضوع ہی خاندانی عظمت کا تذکرہ اور اس پر مرتّب دلائل پیش کرنا ہے۔ اس لیے خاندانِ رسالت ﷺ کے بارے میں متعدد شعر اس میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

تنقّلَ فى اصلاب قومٍ تشرَّفوا   به مثلُ ما للبَدْرِ تلكَ المنازلُ
محبوبُنا خيرُ البريَّةِ نسبه   يوم النُّشورِ لِوَاؤُه مَنْشُورُ

خاندان کے تذکرے کے ساتھ ولادت کی عظمت اور پیش گوئیوں کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اصنامُ مكَّةَ خرَّتْ عندَ مَولده   والنَّارُ خامِدَةٌ صارت و تضطرمُ
جاء ت تُبشُرنا الرُّسلُ الكرامُ به   كالصُّبحِ تبدو تباشيراً كواكبُهٗ

درود و سلام کے موضوع پر بھی مولانا کا کثیر کلام موجود ہے۔ اسماء النبی ﷺ کو بھی منظوم کیا ہے مگر انہیں اس ساری کاوش کے باوجود یہ اعتراف ہے کہ ان کا ہدیۂ سلام اور تحفۂ درود ذاتِ بابرکات کی عظمتوں کے لائق نہیں ہے۔ یہ انکسارِ نفس اور نفیٔ ذات کی منزل ہے اس لیے وہ دعا پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ تحفے دربارِ الٰہی ہی سے نازل ہوں تاکہ مقام کی عظمت کے مناسب قرار پائیں۔

صلواةٌ مِنَ الرَّحمٰن نَحوَ جَنابهِ
لِاَنَّ صلواتی لاتَلیقُ لِبابهِ

مولانا کی شاعری تشبیب کے دلدل کی اسیر نہیں رہی، مدح کرتے ہیں اور بلا کسی خارجی تمہید کے ثناخوانی شروع کر دیتے ہیں۔ حُبِ رسول ﷺ ان کے قلب و نظر کا سرمایہ ہے اس لیے ایک لمحہ بھی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔

جَمالکُ فی عینی وذِکرک فی فَمِی
و حبُّک فی قلبی فاین تَغِبُ

مدح سرائی اور نعت خوانی کا نتیجہ طلب کی صورت میں نکلتا ہے۔ خصائص و فضائل کا جہانِ معنی آباد کر کے کرم کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ مولانا کا تو انداز ہی خود سپردگی اور درمان طلبی کا ہے۔ اس لیے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ شفاعت طلبی اور دادخواہی کے حوالے سے مرتب ہوا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یا رحمۃً للعالمین بأسرها	**و امانها من شِدَّۃٍ وَرَخاءِ**
فَخُذْ باللُّطفِ لا تهجز خُبوری	**طَریحًا فی اَلنَّواقع والصَّوادِی**
مَنْ لی سواکَ اذ اُدرجتُ فی کَفَنی	**و مَنْ اَنِیسی اِذا اُفرِدتُ مِنْ خَوَلی**
فلیس لنا یومُ المعادِ ذخیرۃٌ	**بِلا وجھکَ المیمونِ خیرِ الذخائِر**
اَزجوکَ یاغوثَ الانام فلاتَدَعْ	**بابَ الرِّضا دُونِی یُسَدُّ و یُغْلَقُ**
وَسیلتی العُظمٰی شفاعتُکَ الَّتِی	**یَلوذُ بِھا عیسٰی و موسٰی ابنُ عمرانِ**

مولانا مدحیہ شاعری کے پورے لوازمات سے باخبر ہیں اور انہیں ان کی ترتیب اور پیشکش کا سلیقہ بھی حاصل ہے۔ عرب ماحول اور عرب معاشرت میں اقامت گزین رہنے کی وجہ

سے ان کی عربیت بے داغ ہے صرف ارادی طور پر تخلص اور چند عجمی حوالے لائے گئے ہیں کہ کلام کے مخاطب برِ صغیر کے مسلمان تھے مثلاً رطب اللسانی کا ذکر کرتے ہوئے قُمری اور ہزار کا ذکر کرتے ہیں۔

صلّٰی علیه اللّٰهُ ماسرتِ الصَّبا	**وشَدی الھَزارُ علی الغُصُونِ وَغرّدَا**
علیک صلاۃُ اللّٰہ یا خیرَ خَلقِه	**ما ناحتِ القُمریُّ بِالصدّق والوَفا**

تجنیس پسندی سے برصغیر کی فضا مکدّر تھی، مولانا نے اپنے دامن کو بچائے رکھا مگر پھر بھی کہیں کہیں ماحول کا اثر آ ہی گیا۔

و سِرُّ السرَّ انتَ لِکُلِّ سِرٍّ
و نُورِ النُّورِ یَا نورَ الفوادِی

مختصر یہ کہ مولانا خیرالدین عربی زبان کے پختہ کار شاعر اور شعری محاسن و معایب سے مکمل طور پر آگاہی رکھنے والے ادیب تھے۔ ان کی شاعری میں بلا کی روانی ہے۔ اسلوبِ کلام میں کہیں اُلجھاؤ نہیں۔ تعقیدِ لفظی و معنوی سے پاک کلام اس معیار کا ہے کہ اس پر بھرپور توجہ دی جائے تا کہ عربی ادب کا طالب علم ایسے باکمال شاعر سے کماحقہ آگاہ ہو سکے"۔

خیوریؒ کی ایک اردو نعت کے چند اشعار

مولانا خیرالدین خیوریؒ دہلوی کے کلام میں عربی فارسی کی کثرت ہے۔ قارئینِ کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مولانا اُردو کی کتابیں پڑھتے بھی نہیں تھے، عربی اہلِ زبان کی طرح لکھتے اور بولتے تھے، فارسی اور دیگر کئی زبانوں پر انہیں عبور تھا۔ اس لیے ان کی اُردو شاعری میں عربی اور فارسی تراکیب ہی نہیں، کہیں کہیں وہ فارسی یا عربی ہی کو ذریعۂ ابلاغ بنا لیتے ہیں۔ "حفظ المتین" میں مولانا کی اُردو نعت ۲۲۔ اشعار پر مشتمل ہے، اس کے نو اشعار سیّد شفقت رضوی کی کتاب میں ہیں، وہی ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

اے شاہِ رُسل وے سیّد کل کس نے تجھے رب کے سوا جانا
وے اصلِ اَجَل محمود محل اس بندے کو در پہ بٹھا جانا
از روے ادب بستہ ہے یہ لب ظاہر نہ ہوا اس غم کا سبب

اے بادِ طرب از ملکِ عرب کچھ مجھ کو خبر تو بتا جانا

اے شمسِ ضحیٰ در روزِ جزا ہمہ اہلِ ثنا تجھ پر ہوں فدا

اے شاہِ بقا وے میرے خدا اس قیدِ فنا سے چھڑا جانا

از فرقتِ غم من خستہ دلم تو ابرِ کرم ساقیٔ امم

معطیٔ نِعَم من تشنہ لبم مجھے شربتِ وصل پلا جانا

اے صدرِ ولا مقطوعِ قضا مسموعِ دعا از بہرِ خدا

خُذ دست مرا من ہدف بلا اُس تیرِ بلا کو ہٹا جانا

اے نورِ بصر وے رشکِ قمر از سوزِ جگر سوزاں ہے سقر

از لطفِ نظر کر مجھ پہ گزر اُس نارِ جگر کو بجھا جانا

تو شمعِ قِدَم پروانہ دلم پروا نکنم دیوانہ شیم

اے نون و قلم منجیٔ امم پروانہ خدا سے دلا جانا

اے جانِ ورا قرآن لِقا تو شانِ خدا شانِ تو بقا

کس سے ہو ادا کچھ تیری ثنا مدح تو خدائے ورا جانا

اے شاہِ شہاں یہ عرض جَناں پیش تو عیاں کچھ دردِ نہاں

مجھ سے ہو بیاں گر ہو فرماں اک بار خیوریؔ تو آجانا

(ایک علمی خاندان۔ص ۳۵)

مولانا کی دوسری کتابوں میں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''الستۃ الضروریہ فی المعارف الخیوریہ'' اور ''خیرالامصار مدینۃ الانصار'' ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں موجود کچھ نعتیہ اشعار ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں۔

''الستۃ الضروریہ'' میں مدحِ مصطفیٰ ﷺ

''الستۃ الضروریہ'' کے سرورق پر مصنف کا نام یوں لکھا ہے۔ '' خادم العارفین تُرابِ اَقدامِ الواصلین محمد خیر الدین صانه اللّٰه عن شرّ الحاسدین۔'' دوسرے سرورق پر لکھا ہے ''خادم المصنفین تراب اقدام الفقرا خیر الدین انافه اللّٰه رحیق

المحبین۔'' ''اعلانِ خوش برہان'' میں مطبع معدن الرمز مسمّٰی بالکنز واقع شہر کلکتہ محلہ کولوٹولہ مکان نمبر گیارہ درج ہے۔ مالکِ مطبع حافظ الہ بخش اور منیجر تصدق حسین ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ یہ رسالہ کلکتہ شہر امراتلہ لین مکان نمبر ۹ میں غلام یٰسین سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آخر میں ۲۶ ماہ جمادی الاوّل ۱۳۱۵ھ تحریر ہے۔ یہ کتاب چھے ضروری سوالوں اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ساری کتاب مثنوی کی بحر میں ہے۔ صفحہ ۴ پر یہ چھے سوال اور ان کے جواب یوں تحریر ہیں:

سوالِ اوّل: اے دل! تو کیا ہے؟

جواب: فیضِ نورِ احمدی ﷺ ہے جانِ جاں

قول میں تو ہے وہی فیضِ نہاں

سوالِ دوم: اے دل! تو کہاں سے آیا؟

جواب: قربِ ایزد سے تو آیا پُر حزیں

وطنِ اصلی ہے وہی حق الیقیں

سوالِ سوم: اے دل! تو اپنے ہمراہ کیا لایا؟

جواب: عہدِ تصدیقِ خدا و مصطفیٰ ﷺ

با خوشی لایا تو از قالوا بلیٰ

سوالِ چہارم: دنیا میں تو کس لیے آیا؟

جواب: اس لیے آیا ہے تو فرحت کناں

دردِ دل حاصل کرے از عاشقاں

سوالِ پنجم: دنیا سے تو کہاں لے جائے گا؟

جواب: تحفۂ خوشنودیٔ خیرالوریٰ ﷺ

لے چلے تو پیشِ ذاتِ کبریا

سوالِ ششم: اس جہاں سے تو کہاں جائے گا؟

جواب: طرفِ اصل خویش تو ہووے رواں

نورِ احمد ﷺ سے ملے تو شادماں

مولانا خیرالدین خیوریؔ نے رسالے کی ''بسم اللہ'' ان اشعار سے کی:

حمدِ احمد ﷺ بہرِ محمودِ قدیم
اصل ان کا اصل میں نورِ احد

نورِ مطلق ہے وہی نورِ خدا
وہ اصیلی ہے، طفیلی کائنات

معرفت اس ذاتِ یکتا کی ضرور
بھی رضا جوئی خیر المرسلیں ﷺ

لیک وہ حاصل نہ ہوا اے اہلِ ریش
وصف جن کا بالیقیں خُلقِ عظیم

لَمْ یَلِدْ سے وہ اَحَد ہے بے عدد
ہے خدائے خلق وہ بے امترا

فیض اس کے سے ہمہ بالبیّنات
فرضِ عینی ہے بلا شبہ و فتور

فرض ہر انسان پر ہے بالیقیں
جُز بعرفانِ نفوس و ذاتِ خویش

اس کے بعد "المعجم الکبیر" کے حوالے سے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه" کی حدیث نقل کی ہے اور پھر اس کی تشریح میں ۲۵۔ اشعار لکھے ہیں۔ پہلے چار اشعار یہ ہیں۔

ہے یہ فرمانِ شفیع المذنبیں ﷺ
نورِ ایزد رحمت للعالمیں ﷺ

ذات اپنی کا جسے عرفان ہو
اس کو عرفانِ خدا ہر آن ہو

جو کہ اپنی ذات سے ماہر ہوا
اس پر سرِّ احمدی ﷺ ظاہر ہوا

جو نہ ہووے عارفِ ذاتِ حبیب
کور ہے وہ دو جہاں میں بے نصیب

جوابِ اوّل کی تفصیل کے آغاز میں انھوں نے "الدیلمی" کے حوالے سے "اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ نُوْرِیْ" کی حدیث نقل کی ہے اور تشریح میں جو اشعار کہے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ہے یہ فرمانِ شہِ خیرالانام ﷺ
میں خدا کے نور سے ہوں لاکلام

نور میرے سے ہوئے ہیں مومناں
اہلِ توحید خدائے دو جہاں

پس یہ دل ہے فیضِ نورِ احمدی ﷺ
مستفیضِ سرِّ ذاتِ سرمدی

اصل تیرا نورِ احمد ﷺ اے فہیم
نورِ احمد ﷺ اصل میں نورِ قدیم

جو نہ اِس عرفان سے مسعود ہے
اسفل السافل وہی مردود ہے

فیضِ نورِ احمدی ﷺ وہ جانِ جاں
نفسِ انساں ہے وہی سرِّ نہاں

ہے وہی مرآتِ حق فیضِ قدیم
کُنْتُ کَنْزًا کا وہی دُرِّیتیم

جود و ہمت میں وہ کبریٰ آشکار
جسم سے صغریٰ اگرچہ دل فگار

جب عوالم کا ہوا دل یہ بصیر
تب ہوا یہ حاملِ نورِ بشیر

نورِ احمد ﷺ ہے امانت بے گماں
جس کا ہے قرآن میں اظہر بیاں

اس کے بعد مولانا نے وہ آیت لکھی جس میں اللہ کی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے بجائے انسان کے اٹھانے کی بات کی گئی ہے اور اسے "ظلوماً جھولا" قرار دیا گیا ہے (۱۴۳) اور اس کی تشریح میں ۳۷ شعر لکھے ہیں۔ ان میں یہ بھی ہیں:

حق تعالیٰ نے طفیلِ مصطفیٰ ﷺ
جب کیا آدمؑ کو پیدا باصفا

پھر تو بخشا حُلّۂ جنت کو جاہ
جسمِ آدم سے جو لابُد رشکِ ماہ

تاجِ کَرَّمْنَا سے وہ زینت گزیں
تختِ اقدس پر ہوا صدرِ نشیں

پھر "لقد کرمنا بنی ادم" والی آیت (۱۴۴) کی شرح میں گیارہ اشعار اور "اِنّی جاعل فی الارض خلیفه (۱۴۵) کی ذیل میں ۲۲ شعر تحریر کیے۔ ان میں سے آخری شعر یہ ہے:

ان میں نائب بھی وہی سلطان ہے
لاجہت جو لامکانی شان ہے

پھر ایک آیت (۱۴۶) اور ایک حدیثِ قدسی کے حوالے سے اشعار کہے۔ اس کے بعد حدیث "ان اللّٰه خلق ادم علی صورته" (۱۴۷) کی تشریح میں ۲۱ شعر ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

صورتِ رحمان یہ انسان ہے
احسنِ تقویم کی بُنیان ہے

شکل اس کی چوں محمد ﷺ آشکار
دونوں صورت سے ہوا یہ برقرار

ہے یہی اہلِ فضیلت نامدار
ہے ملائک پر اسی کا اقتدار

تاجِ کرّمنا سے ہے یہ سرفراز
کیونکہ ہے یہ فیضِ احمد ﷺ اہلِ راز

ہے فرشتوں کا یہی لابد ادیب
عالمِ علمِ خدا از بس لبیب

پس کیا پیدا خدا نے ذی کمال
مظہرِ وصفِ جمالی والجلال

تاکہ ہوں آباد اس سے دو جہاں
دو صفت ایزد کی اس سے ہو عیاں

رتبۂ خیرالوریٰ ﷺ ہو آشکار
ہو عوالم پر اسی کا اقتدار

ایک دولھا ہے وہی، جملہ برات
کائناتِ فرشیات و عرشیات

مولانا خیرالدین خیوری اسی طرح قرآنِ پاک کی کوئی آیت یا کوئی حدیثِ پاک بیان کرتے ہیں اور پھر اس کی وضاحت کے لیے اشعار سے کام لیتے ہیں۔ ایک حدیثِ قدسی کے ضمن میں نعت کے یہ شعر ملتے ہیں۔

دید ان ﷺ کی دیدِ ذاتِ کبریا — کیونکہ ایزد سے نہ وہ ہرگز جدا
احدیت کی ذات وہ بے التباس — فیضِ نورِ احمدی ﷺ اس کا لباس
تاج ہے میمِ محمد ﷺ بے گماں — میمِ احمد ﷺ کا ہے پٹکا درمیاں
خاتمیت کی جو ہے انگشتری — مشتری جس کا خدائے مشتری
صورتِ احمد ﷺ محمدؐ کا حجاب — حق تعالیٰ نے کیا بے ارتیاب
ہر طرح سے اس کے جو اطوار ہیں — ہیں وہی محبوبِ حق، مختار ہیں
پردۂ مرآت سے ہے آشکار — رائی و مرئی وہی یکتا نگار
فیضِ نورِ احمدی ﷺ مرآت ہے — رائی و مرئی احد یک ذات ہے
فیضِ نورِ احمدی ﷺ ذاتِ بشر — ہے یہی عرفان اس کا بے خطر
اے خیوری قول یہ پُرنور ہے — میمِ احمد ﷺ سے احد مستور ہے

''جوابِ دوم'' کی تفصیل میں مولانا نے ''معجم کبیر'' کے حوالے سے ''کنت کنزًا مخفیاً'' کی حدیث بیان کرتے ہوئے اپنے علم اور موزونیتِ طبع کی جو صورت پیش کی ہے، اس کا ایک عکس یوں ہے:

ہے یہ فرمانِ خدائے دو جہاں — کنزِ مخفی ذات میری تھی نہاں
پس ہوا یہ اقتضائے حبِّ ذات — آشکارا میں کروں اپنی صفات
ذات کی جملہ صفت ہو جب عیاں — تب تو ہووے جلوۂ حسنِ نہاں

پس کیا پیدا خدا نے ایک ذات — ذات اپنی سے زہے عالی صفات
نور اپنے سے کیا اس کا ظہور — وہ ظہورِ ایزدی ہے بالضرور
جو کہ ہوویں عارفانِ مصطفیٰ ﷺ — صاحبِ لولاک محبوبِ خدا ﷺ
دید میری سے وہ بس سرشار ہوں — دیدِ احمد ﷺ سے زہے مختار ہوں

پس وہ اوّل خلق جو مذکور ہے — نورِ ایزد سے وہ یکتا نور ہے
قربِ ایزد سے ہوا وہ جب جُدا — تب ہوا وہ مظہرِ ذاتِ خدا

جوابِ سوم کی تفصیل کا آغاز مولانا نے ''قَالُوْا بَلٰی'' والی آیت (۱۴۸) اور اس کی تشریح سے کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

تب ہوا فرمانِ ربّ العالمیں — جملہ ذرّیاتِ آدم کو چنیں
کیا تمھارا میں نہیں پروردگار — تب کہا ''قالوا بلیٰ'' سب نے پکار
ہاں ہمارا ہے توئی پروردگار — ہے توئی یکتا مربی آشکار
ہیں تری توحید کے ہم معتقد — لَا شَرِیْکَ لَکَ پہ ہیں ہم معتمد
ذات میں یکتا توئی ہے بے عدد — امر تیرا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ
ہے توئی لا ریب اَللّٰهُ الصَّمَدْ — لَمْ یَلِدْ ہے نی الازل ہم فی الابد
ہاں ہوا احمد ﷺ سے پیدا تو ضرور — میمِ احمد ﷺ سے احد پر ہے ستور
کُف نہیں کوئی تری اے کردگار — ہاں ہوا تجھ سے محمد ﷺ آشکار
احدیت ہے ذات تیری بے گماں — احدیت کے بطن سے احمد ﷺ عیاں
جب کیا یہ عہد سب نے بالیقیں — وحدہٗ ہے ذاتِ ربّ العالمیں
تب ہوا اس عہد پر شاہد خدا — تاکہ ہوں توحیدِ ایزد پر فدا
دارِ دنیا میں رہیں وہ مستقیم — قلب ان کا حبِّ احمد ﷺ میں سلیم

مسلم شریف کی روایت کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ نقل کرنے کے بعد خیرالدین خیوری لکھتے ہیں:

جو کہ ہو مولود پیدا از بشر — ہو تولُّد فطرتِ اسلام پر
پھر کریں ماں باپ اپنے دین پر — ان کو نصرانی یہودی اے پسر
جس کا تھا ماں باپ بر دینِ یہود — وہ یہودی ہو گیا اہلِ جحود
عبدۃ الاصنام کی اولاد جو — وہ ہوا اہلِ صنم بے گفتگو
جو وہابی خارجی اہلِ سقر — ان کی بھی اولاد ان کے طور پر

تفصیلِ جوابِ چہارم میں ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ'' (۱۴۹)

کی شرح میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں:

ہے یہی فرمانِ خلّاقِ جہاں   بہرِ تعلیم دو فرقہ انس و جاں
میں نہیں پیدا کیا یہ انس و جاں   ہاں مگر بہرِ عبادت بے گماں
جن تابع انس خلقت میں ضرور   انس کی خاطر ہوا اس کا ظہور
انس میں پیدا ہوئے خیرالانام ﷺ   باعثِ جملہ عوالم لاکلام
نورِ حق وہ صاحبِ لولاک میں   فیض ان کے سے ہمہ افلاک ہیں
"کنتُ کنزًا" کے وہی سرِّ نہاں   سرّ اُن کے سے ہوا ایزد عیاں
جب ہوا اس انس میں ان ﷺ کا ظہور   تب تو اصلی خلق ہے انساں ضرور
اس کے تابع خلق میں کُل عالمیں   یہ طفیلی، وہ اصلی بالیقیں
کیونکہ اس میں رحمت للعالمیں ﷺ   پس عوالم سے یہ ہے فاضل تریں
ہے یہی قلب عوالم بالضرور   اس کی خاطر جملہ عالم کا ظہور

آگے چل کر "روح البیان" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ذاتِ انساں کو کیا پیدا خدا   تاکہ اس کی ذات پر ہو یہ فدا
ہو فدا ایزد پہ یہ لیل و نہار   عشقِ احمد ﷺ میں کرے جاں کو نثار
ذاتِ احمد ﷺ ہے جو شمعِ کردگار   اس پہ ہو یہ سوختہ پروانہ وار
تا رضا جوئی احمد ﷺ میں مدام   جان و دل سے یہ فدا ہو صبح و شام
دید ان کی ہے جو دیدِ ایزدی   ذات ان کی ہے جو فیضِ سرمدی
خلقِ خلقت سے یہی مقصود ہیں   پُشتِ آدم میں یہی مسجود ہیں

مولانا نے ایک بار پھر "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" کی تفصیل میں ۷۷ اشعار کہے ہیں۔ ان میں ایسے اشعار بھی ہیں:

خاکیوں میں ہو عیاں نورِ قدیم   جس کی خاکِ پا ہوا عرشِ عظیم
خاکیوں میں ایک ایسا وہ حبیب ﷺ   جس کی خاطر تم ہوئے اہلِ نصیب
کنزِ مخفی سے ہوا اس کا ظہور   فیض اس کے سے ہوئے تم اہلِ نور
وہ اصلی، اس سے جملہ نور و نار   ہیں طفیلی جملہ عالم آشکار

"وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ" (۱۵۰) کی ذیل میں ۲۱ شعر اور ایک حدیثِ قدسی کے ضمن میں ۲۰ شعر ملتے ہیں۔ حدیثِ قدسی کی شرح دیکھیے:

نالۂ دل جب کرے ظاہر اثیم   اس سے لرزاں ہوئے بس عرشِ عظیم
آہ و زاری سے کرے جب وہ ندا   یا شفیع المذنبیں یا مصطفیٰ ﷺ
ابرِ باراں ہے توئی عالم پناہ   مِن زعصیاں خشک سالی چوں گیاہ
یا مجیری نجّنا من ھاویہ   نارِ ہجراں جمالت حاویہ
رحمۃ للعٰلمینی یا غفور   یا حبیبی انت مصباح الصدور
ظلمتِ عصیاں سے ہوں میں پُر حزیں   راہ بنُما یا شفیع المذنبیں ﷺ
دستگیر اے دستگیرِ بے کساں   انت عونی انت غوثی ہر زماں

جوابِ پنجم کی تفصیل کا آغاز "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ" سے کیا گیا ہے۔ (۱۵۱)

اس ضمن میں مدحتِ سرکارِ ہر عالم ﷺ کے ایسے اشعار موجود ہیں:

اس طرح فرمانِ خلّاقِ جہاں   ہے یہ قرآں میں عیاں اے مومناں!
یا حبیبی شافعِ جملہ امم   نورِ نوری سرِّ اسرارِ قدم
حبِّ ایزد پر اگر ہو مستقیم   دعویٔ حبِّ خدا گر ہے سلیم
تب تو میرے امر کے ہو تابعیں   پیروی میری کرو تم بالیقیں
پیروی میری، محبت کا کمال   حبِّ احمد ﷺ عینِ حُبِّ ذوالجلال
پیروی میری، یقیں اے مومناں   ہے کمالِ حبّ ایزد کا نشاں
حبِّ احمد ﷺ ہے یقیں حبِّ خدا   ہے یقیں، ایمانِ حبِّ مصطفیٰ ﷺ
پس اگر ہے دعویٔ حبِّ خدا   منکروں کے دل میں ہر صبح و مسا
تب تو وہ قدمینِ احمد ﷺ پر ضرور   صدقِ دل سے سر رکھیں با صد سرور
پائے احمد ﷺ پر نہ ہرگز پا رکھیں   سر رکھیں اس جائے پر، دل سے جھکیں
پس وہ ہوں محبوبِ ایزد بے گماں   معصیت سے پاک ہوں در دو جہاں
حق تعالیٰ بخش دے ان کے گناہ   وہ امانِ حق میں ہوں شام و پگاہ
کیونکہ بے شک یکتا وہ غفار ہے   سبقتِ رحمت سے وہ ستار ہے

ہیں خلیل اللہ خلّت سے مدام   سرفراز و مفتخر بین الانام
خاصۂ خلّت سے وہ پُرنور ہیں   خاصۂ محبوبیت سے دور ہیں
خاصۂ محبوبیت با صد وقار   ذاتِ احمد ﷺ پر کیا حق نے نثار
چاکرانِ مصطفیٰ ﷺ کو جو نصیب   انبیاءؑ اس سے نہ فائز اے لبیب
پیرویٔ مصطفیٰ ﷺ سے اے جہاں   ہے رضائے مصطفیٰ ﷺ مقصودِ جاں
ہے رضا ان کی رضائے کردگار   بل رضائے ایزدی ان پر نثار
ہے رضا خواہِ محمد ﷺ خود خدا   کیونکہ احمد ﷺ نورِ ذاتِ کبریا
پس رضائے شافعِ ہر دو جہاں   ہے یہی مقصودِ جملہ مومناں
پس رضائے سیّدِ خیر الانام ﷺ   دارِ دنیا میں تو کر حاصل مدام
تب تو راضی تجھ سے ہو پروردگار   ہو رضائے ایزدی تجھ پر نثار

جوابِ ششم (آخری) کی تفصیل کا اجمال "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" ہیں ہے (۱۵۲) اس کی شرح میں ۴۲ شعر ملتے ہیں۔ آغاز کے چار شعر یہ ہیں:

قولِ ایزد بسکہ عالی شان ہے   والضحیٰ سورہ میں بالبرہان ہے
یا حبیبی حامیٔ کون و مکاں   سِرِّ سِرّی شافعِ ہر دو جہاں
جو کہ ہیں جملہ عوالم بے شمار   عرش و فرش و جملہ اہلِ نور و نار
سب ہوئے تجھ سے ہویدا بے گماں   اصلِ جملہ ہے توئی مقصودِ جاں

درمیان کے چار اشعار بھی دیکھ لیجیے:

جب عوالم تجھ سے ہوویں واصلیں   تب تو پوچھے تجھ سے ربّ العالمیں
ھل رضیت یا محمد مصطفیٰ ﷺ   مجھ کو ہے منظور بس تیری رضا
جب ہوا یہ عہد تجھ سے آشکار   ہے رضا جوئے محمد ﷺ کردگار
ہر طرح تیری رضا منظور ہے   وہ کروں میں، جس سے تو مسرور ہے

مولانا خیرالدین نے اس کے بعد ابنِ عساکر اور علامہ زرقانی کے حوالے سے "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا" کی حدیثِ قدسی بیان کی ہے اور پھر مدح و ثنائے سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ میں یوں تر زباں ہوئے ہیں۔ (۵۶۔ اشعار میں سے):

حق تعالیٰ نے یہ فرمایا عیاں   یا محمد ﷺ سرِّ سِرّی بے گماں
میں کیا پیدا یہ دنیا بالضرور   بھی جو خلقت اس میں اہلِ نار و نور
اس لیے تا میں کروں ان کو مدام   عارفانِ رتبۂ خیرالانام ﷺ
جو کہ تیرے ہیں مراتب بے شمار   ان سے ہوں وہ ماہریں لیل و نہار
گر نہ تیری ذات کا ہوتا ظہور   پھر تو کب ہوتا ظہورِ نار و نور
جن و اِنس و سائرِ اہلِ زمیں   جملہ افلاک و ملک، عرش بریں
جو سوا ان کے، عوالم بے شمار   کچھ نہ ہوتا ان سے ہرگز آشکار
بلکہ میرا بھی نہ ہوتا کچھ ظہور   رب نہ کہتے مجھ کو اہلِ نار و نور

ہے طفیلی، جملہ جو شاہ و گدا   ہے وہی شاہِ شہاں بے امترا
ابتدا و انتہا کا وہ نشاں   وہ نشانِ بے نشانی بے گماں
کنتُ کنزًا کا وہی سرِّ نہاں   اس نہاں سے یہ ہوا جملہ عیاں
اس نہاں سے گر نہ ہوتا یہ عیاں   تب عیاں ہوتا نہ خلّاقِ جہاں
ہے وہی ایمانِ جملہ عارفیں   عارفانِ صادقانِ واصلیں
اس رضا جوئی سے جو مہجور ہے   وہ منافق حق سے بے شک دور ہے
گرچہ ایماں کا کرے وہ اِدّعا   اِدّعا سے وہ نہ ہو اہلِ رضا
ہے اسی کا بس رضاجُو کردگار   ہے رضائے ایزدی اس پر نثار
میم سے مستور ہے وہ در جہاں   تاجِ میمی اس کے سر پر بے گماں
ہے الف سے دائماً وہ سرفراز   نامِ احمد ﷺ حمدِ ایزد بے نیاز
حمدِ ایزد اس پہ دائم ہے نثار   حامد و محمود وہ یکتا نگار
عاشق و معشوق وہ یکتا قدیم   اس پر دائم خلعتِ خُلقِ عظیم
کنزِ مخفی ہے وہی نورِ مبیں   احدیت کا سرِّ باطن بالیقیں

ربِّ کریم جل وعلا نے حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بیعت کو اپنی بیعت فرمایا (۱۵۳) مولانا خیرالدین خیوری دہلوی اس سے یوں مزا لیتے ہیں (ساٹھ اشعار میں

سے کچھ):

رتبۂ خیرالوریٰ ﷺ بے انتہا — نصِ مذکورِ جلی سے اے فتا
خود یہ فرماتا ہے خلاقِ جہاں — یا حبیبی باعثِ کون و مکاں
جو کہ تیرے دست پر ہووے مرید — وہ یدُاللہ سے ہوا بے شک رشید
نورِ احمد ﷺ جب ہوا نورِ خدا — تب دوئی کا اٹھ گیا کُل امترا
پس یہ ہے فرمانِ خلاقِ انام — یا حبیبی نُورَ نوری لاکلام
جو کہ ظاہر میں ہو تجھ سے فیض یاب — فیض یابِ حق وہی بے ارتیاب

کافی و وافی وہی ہر آن ہے — حلیہ اس طٰہٰ کا بس قرآن ہے
گر نہ ہو وہ دستگیرِ کائنات — تب تو کب اس کا بقا ہو در جہات
بود ہم نابود اس سے اے امیں — جودِ ہر موجود اس سے بالیقیں
گر نہ ہو امداد اس کی یک زماں — تب تو ہوں زیر و زبر جملہ جہاں
پس مفیضِ جملہ ہے وہ بالیقیں — کیونکہ ہے وہ رحمت للعالمیں
کب ثنا اس ذات کی امکان ہے — بعدِ حق یکتا وہ عالی شان ہے

''خاتمہ الطبع'' کے طور پر مولانا نے جو سترہ اشعار کہے ہیں' ان میں سے بھی چند حاضر ہیں:

حمدِ ایزد کس زباں سے ہوا ادا — نعمتِ عرفان اس نے کی عطا
معرفت احمد ﷺ کی باتصدیقِ جاں — اس نے کی ہم کو عطا در ہر زماں
صد ہزاراں شکرِ حق با صدہ صفا — اس نے بخشی ہم کو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ
جود اس کے سے ہوا ہم کو عطا — یہ رسالہ دُرِ عرفاں بے بہا
دُرِ عرفاں زیبِ تاجِ اصفیا — مرحبا وہ دُرِ کنزِ کبریا
یا الٰہی! اس دُرِ عرفان سے — ہادیٔ ایمان ہم احسان سے
دُرجِ قلبِ مومناں کو بخش نور — تاکہ اس سے ہوں وہ دائم باسرور
دیدِ احمد ﷺ سے وہ بس سرشار ہوں — اس دُرِ مختار سے مختار ہوں

''خیرالامصار'' میں سرکار ﷺ اور مدینۂ سرکار ﷺ کی منظوم تعریف

''خیرالامصار مدینۃ الانصار'' میں شہرِ کرم شہرِ سرکار ﷺ مدینۂ منورہ کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے مولانا خیرالدین خیوری نے نثر اور نظم میں قلم اٹھایا ہے۔ نثر میں قافیہ بندی کا اہتمام ہے اور سچ یہ ہے کہ ان کی نثر کسی طرح نظم سے کم شعریت کی حامل نہیں۔ لیکن ہم فی الحال ان کی نظم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

سرورق پر ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' (۱۵۴) کے سایے میں کتاب کا نام درج ہیں۔ مصنف شاعر کا نام یوں رقم ہے۔ ''از تالیفِ حصیف ورصین بندۂ مسکین محمد خیر الدین صانہ اللہ عن شرّ الحاسدین.'' نیچے تحریر ہے۔ ''در مطبع ھادی المطابع بحسن الاصابع مطبوع گردید.'' دوسرے سرورق پر طابع کا نام یوں درج ہے: ''بتنمیق انیق رشیق الاصابع منشی محمد ھدایت اللہ مالک ھادی المطابع طبع شد '' صفحہ ۲۷ پر ''اعلانِ خوش بُرہان'' میں مطبع کا پتا بھی ہے مکان نمبر ۱۴۱۔ ہریسن روڈ' کلکتہ۔ کتاب/ رسالہ حاصل کرنے کا پتا ''غلام یٰسین۔ مکان نمبر ۹۔ امرتلہ لین' کلکتہ شہر' درج ہے۔ قیمت ۱۲ آنے اور سنِ اشاعت ۱۳۱۵ھ ہے۔

ہم مولانا خیرالدین خیوری دہلوی کے یہ اشعار ان کی کتاب سے عکسی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ پہلے بارہ صفحات کے اشعار تو کتاب کا آغاز ہیں۔ اس کے بعد مختلف موقعوں پر نثر کے بعد اشعار دیے گئے ہیں۔ چونکہ ان سب کا موضوع ایک ہی ہے: شہرِ آقا و مولا (علیہ التحتیہ والثنا) کی مدحت' اس لیے ہم انھیں الگ الگ نقل کرنے کے بجائے مسلسل پیش کر رہے ہیں:

محمد افضلِ جملہ خلائق
مدینہ ہے بلاد اللہ پہ فائق

محمد معدنِ جملہ حقائق
مدینہ مخزنِ اہلِ دقائق

کیا پیدا خدا نے جو عوالم
ز فوق و تحت دیگر جو آو ادم

تو افضل اونمین جو نزدِ خدا ہے
وہی مخصوص بہرِ مصطفا ہے

جو اول سب سے افضل اور اجمل
وہ ہے نورِ قدم نزدیک اکمل

تو اوسے اصلِ احمد برملا ہے
احد بے میم فیضِ کبریا ہے

وہ سرِ کنتُ کنزاً دلربا ہے
وہ فیضِ احدیت بے اِمترا ہے

وہ باطن احدیت سے مصطفے ہے
وہی بندہ حقیقت مین خدا ہے

دہی ہے برزخِ کبری بلاریب
ادھر خالق اِدھر مخلوق بے عیب

وہ حبُّ اللہ حبیب اللہ بنا ہے
ختم جسپر خدا نے حب کیا ہے

وہ ظلماتِ توسط سے مُبَرّا
مجسّم نور شرکت سے مُعَرّا

وہی نورِ قدیمی ذاتِ ابدی
وہ افضل رب سے مُستغنی وصمدی

وہ اول آخر و ظاہر وہ باطن
وہ ناظر حاضرِ کُلِّ المواطن

وہی ہے شاہدِ جملہ خلائق
کہ وہ اُمّی وہی اصلِ حقائق

ہوا ہے اور جو ہو تا قیامت
ز خیر و شر بھی ذِلّت کرامت

وہ سب او نپر عیان ہے چون کفِ دست
کہ ہستی کو اوسیکی ذات سے ہست

یہ مضمونِ حدیثِ مصطفا ہے
جو از ابن عمر وہ پُر صفا ہے

قد اخرج الطبرانی عن ابن عمر علیهم رضوان الله الاکبر انه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلی آله واصحابه ذوی الحکم ان الله قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ما هو کائن فیها الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی هذه

نہ سایہ اونکا ہمسایہ خدا یا
کہ پُتلی مین وہ سایہ ہے سمایا

وہ صفحاتِ کلام اللہ پہ آیا
تو آگر اوسنے یہ معنے بتایا

بَشَر ہوتا اگر وہ در حقیقت
تو سایہ کیون نہوتا در طریقت

تو وہ عبدِ خدا ہے در شریعت
وہی وَاللہ خدا ہے در حقیقت

تو افضل او ر اجمل کے سزاوار
وہی یکتا اوسی سے جملہ سرشار

جو وہ بلدِ امین شہرِ خدا ہے
تو اوسمین مولدِ خیر الوریٰ ہے

وہ گرچہ شہر ایزد پُر لطافت
و لے احمد سے اوسکو ہے شرافت

جو ہین خلعاتِ درگاہِ خداوند
تو اونمین جو کہ افضل اور دلبند

محبت کا وہ خلعت ہے مُؤبّد
تو وہ مخصوص ہے بہرِ محمد

جو اسما اونمین ہین اسمائے افضل
سبھی افضل مین جو اجمل اور اکمل

محمد اور احمد وہ عیان ہے
وہ از اسرارِ ایزد بگمان ہے

وہ ہین مخصوص بہرِ ذاتِ امجد
احَد بامیم ہے جو نورِ ایزد

وہ ہے بےمیم ہم بامیم لاریب
منزہ قیدِ میمی سے نہ کچھ عیب

بناتِ جملہ عالم مین جو افضل
وہ ہے زہرائے اطہر اور اکمل

وہ لختِ سیدِ خیر الوراہے
ورا مین وہ ورائے ماورا ہے

رضا اونکی رضائے کبریا ہے
رضائے مصطفا بے امترا ہے

غضب اونکا کسی پر ہو نہ ظاہر
کہ وہ غضبِ خدا ہے نزدِ ماہر

اذیت جسسے ہو خیر النسا کو
تو ہوا وسسے اذیت مصطفا کو

جو ایسی ذات مقبولِ خدا ہے
تو وہ مخصوص بہرِ مصطفا ہے

جو ذریات درجملہ عوالم
تو ہین حسنین اونمین ذی مکارم

وہ سردارِ جوانانِ جنان ہین
جنان مین سب سے افضل وہ عیان ہین

جو حب اونکی وہی لاریب ایمان
وہی ایمان رضائے خالقِ جان

وہی ایمان رضائے مصطفا ہے
نہ اوس ایمان سوا ہرگز وفا ہے

اہانت اونکی بس کفر و جفا ہے
یقیناً وہ جفا بر مصطفا ہے

جو اہلِ بیت کا موذی نہان ہے
وہ ملعونِ خدائے دوجہان ہے

ہوا اونکی شہادت سے جو منکر
شریعت مین وہ ہے لاریب کافر

محبت اونکی ہے انسانِ ایمان
نہ انسان ہو تو کیا ایمانِ انسان

تو وہ حسنین جو نورِ خدا ہین
تو وہ مخصوص بہرِ مصطفا ہین

علی الاطلاق سیدۃ النسا جو
وہ ہے کبری خدیجہ ذاتِ خوشخو

نِسا جملہ جو افضل درجہان ہین
تو افضل اونسے وہ کبری عیان ہین

سلام اللہ سے دائم وہ معظم
کہ وہ مخصوص بہرِ ذاتِ اعظم

نسائے مصطفا دیگر جو عظمی
فضیلت مین وہ بیشک بعدِ کبری

وہ امّ المومنین ہین درمقامات
کہ وہ ازواجِ ذاتِ اصلِ ہر ذات

وہ جملہ طیبہ از نصِّ اظہر
کہ وہ مخصوص بہرِ ذاتِ اطہر

جو خلوتہا سے افضل بیگمان ہے
وہ فوقِ عرش خلوت لامکان ہے

خلیل اللہ جو ہین وہ قطبِ توحید
وہ جدِ انبیا ہین اہلِ تجرید

سرافیل و دگر میکال و جبریل
ملائک مین جو ہین وہ اہلِ تبجیل

تو اوس خلوت سے وہ ماہر نہ زنہار
نہ اوس دربار مین اونکو ہے بار

کہ اوس خلوت کے اسرارِ نہانی
مکانی کے نہ لائق لامکانی

وہ ہین بیشک منزہ از نشانی
کہ سرِّ احدیت سے ہین وہ شانی

وہ سرِّ سر کے اسرارِ جانی
نہ جانکو اونسے کچھ حاصل نشانی

وہ میمِ احمدی معدوم اوسجا
محمد بھی محمد سے ہے مبرا

کہ سرِّ احدیت سے جو احد ہے
وہی قائل وہی سامع صمد ہے

نہ اوسجا کام ساجد اور مسجود
نہ اوسجا نامِ عابد اور معبود

نہ ہین تو کی وہان پر کچھ جدائی
وہی یکتا وہان جسکی خدائی

نہ ابراہیم کی جسجا رسائی
نہ جبرائیل کو اوسجا رہائی

تو کیا اسکے سوا قولِ بیانی
وہی سبحان ربی لامکانی

بگوشِ ہوش بشنو رازِ جانا
نشانِ بے نشانی سرِّ ادنا

صفت پر ذات جب ہو نور افشان / تو ہو جملہ صفت در ذات پنہان

اوٹھی دوئی عدد سے لامکان ہین / رہا یک بے عدد سرِّ نہان ہین

ملے دو قوس جب اوس لامکانمین / تو اَو اَدنیٰ رہا پھر بے نشان مین

بنا یک دائرہ اوس بے نشانمین / تو روئے وصل تب آیا عیان ہین

تو سرِّ کُنتُ کنزاً جو نہانی / وہ اَحبَبتُ سے یکے یکتا نشانی

وہ حُبّ ذات یکتا جاودانی / وہی محبوبِ اقدس لامکانی

جو آبِ بحر ہو دریا مین زخّار / تو ہے وہ بحر واللہ نزدِ ہشیار

تو دریا سے نہ ہرگز وہ جدا ہے / تو نورِ حق نہ کیونکر اب خدا ہے

رہا جب میم بر عرشِ مُقدّس / احد کیونکر نہو یکتائے اقدس

ہوا جبکہ احد بھیدِ مُستتر / تو یکتا وہ سمیعؔ بھی بصیرؔ

وہی قائل وہی سامع یکے دان / وہی رائی وہی مرئی یکے جان

بیانِ لامکان سرِّ نہانی / نہ ماہر اوسے جملہ انسانی

نہ جبرائیل پر وہ سرّ پیدا / **خیوری** عاشقون پر وہ ہویدا

تو اوس خلوت سے ہے مخصوص طٰہٰ / کہ وہ شرکت سے دائم ہے مُبرّا

مراتب مین جو رتبہ بسکہ امجد / وہ ہے کلّی شفاعت نزدِ ایزد

علی الاطلاق اوسمین جو مُشفّع / تو اوسکا جو مقالہ ہے وہ تُسمَع

وہی اصلی شفیع المذنبین ہین / طفیلی اونکے دیگر شافعین ہین

شفاعت کے جو ہین انواع و اقسام / تو سب مین وہ اصیلی اہلِ انعام

جو در روزِ قیامت شافعین ہین / وہ بارہ قسم جملہ بالیقین ہین

تو اول سب کے شاہِ مرسلین ہے / بھی آخر سب کے وہ نورِ مبین ہے

تو وہ جملہ شفاعت نزدِ ایزد / ہوئی ہے بالاصالہ بہرِ احمد

بھی عُظمیٰ جو شفاعت نزدِ غفار / نہ ہوا اونکے سوا دیگر سے زنہار

کہ ثَوَرانِ غضب ہوا اوسے مسدود / کرے جملہ خلائق حمدِ محمود

تو وہ رُتبہ ہُوا مخصوص لاریب / برائے ذاتِ احمد جو کہ بےعیب

وہ خُلفا جو کہ بعد از انبیا ہین / صحابہ مین وہ افضل اصفیا ہین

نبوت کا نہوتا گر ختمِ کار / تو ہوتے وہ نبی ہین الورا چار

تو وہ وزرائے شاہِ دوجہان ہین / وہ ممدوحانِ خلّاقِ جنان ہین

خصائص اونکے از قرآن ہویدا / کہ اوس شمعِ خدائی پر وہ شیدا

تو وہ مخصوص بہرِ ذاتِ احمد / کہ وردِ اونکا محمدؐ یا محمدؐ

جو اخوان الصفا در جملہ عالم / تو اصحابِ مکرّم سے نہ اکرم

شمار اونکا شمارِ انبیا ہے / شمار اونکا شمارِ اولیا ہے

مظاہر انبیا کے وہ عیان ہین / مناظر کبریا کے بیگمان ہین

عُلومِ انبیا سے وہ مکرم / نہین بل اونسے فائق وہ معظم

اگرچہ وہ طفیلی بیگمان ہین / ولے برتر اصیلونسے عیان ہین

وہی ہین حاملانِ دینِ اسلام / وہی ہین دینِ اسلامی کے اعلام

چو پروانہ وہ بر شمعِ خدا ہین / فدائے خلق پر وہ سب فدا ہین

وہ جان و مال سے احمد پہ قربان / کہ صد جان اونکو اوس جانانسے ہر آن

وہ سب مخصوص یارِ مصطفا ہین
وہ خاصانِ دیارِ اجتبا ہین

جو درجملہ عوالم اولیا ہین
بھی درجملہ اُمم جو اصفیا ہین

تو فضل اولیائے مصطفا ہین
جو اس امت مین جملہ اتقیا ہین

قلوب اونکے جو قلبِ انبیا ہین
علوم اونکے زعلمِ مصطفا ہین

اگرچہ وہ طفیلی در مقامات
اَصیلون سے وہ برتر در کرامات

جو جملہ معجزاتِ انبیا ہین
ز آدم تا بسیّدِ اصفیا ہین

تو اونسے ہے یہ ولیونکی کرامات
جو اس امت مین وہ عالی مقامات

کرامت کے جو منکر اشقیا ہین
وہ منکرِ معجزاتِ انبیا ہین

جو منکرِ معجزاتِ انبیا ہین
وہ ملعونِ جنابِ کبریا ہین

تو جملہ اولیائے مصطفا جو
وہ اِس اُمت مین دائم خوب خو

تو وہ چون انبیا ہین در مقامات
بجائے معجزہ اونکی کرامات

نبوت کا نہوتا گر ختمَ کام
تو ہوتے وہ نبی در دینِ اسلام

وہ مخصوصانِ امت مُصطفا ہین
وہ اُمت مین بسے اہلِ وفا ہین

کیا پیدا خدا نے جب اُمم کو
کیا تقسیم پھر اونپر ہِمَم کو

تو کنتم خیرَ اُمت اونمین افضل
ہوئی برتر ہِمَم سے بسکہ اکمل

ہوئی نورِ محمد سے یہ پیدا
تو چون پروانہ یہ ہے اونپہ شیدا

ہوئین دیگر اُمم پیدا جہان ہین
ز آدم تا بعیسےٰ درمیان ہین

زنورِ انبیائے خویش لاریب
حدیثون سے یہی روشن بلا عیب

تو احمد اور اونمین بالیقین ہے
توسطِ انبیا و مرسلین ہے

نعم جملہ سے فائق دیدِ یزدان
وہ احمد کے لئے مخصوص ہر آن

اُمم بھی انبیائے پاک اطوار
طفیلی اونکے ہین دردیدِ غفار

تو یہ امت اُمم سے جو کہ اکرم
تو بیشک دیدِ ایزد مین مُقدم

یہ مثلِ انبیا اوسے مکرّم
کہ تابعِ ذاتِ احمد ہے یہ ہر دم

طفیلی کے طفیلی وہ امم ہین
کہ اس امت سے وہ پستر ہِمَم ہین

تو یہ اُمت جو افضل برملا ہے
تو یہ مخصوص بہرِ مصطفا ہے

عبادت کے لئے جو روز افضل
وہ روزِ جمعہ اجمل اور اکمل

تو یہ امت ہوئی اوسے مکرّم
طفیلِ صاحبِ خُلقِ معظم

ولے روزِ دوشنبہ اوسے افضل
کہ ہے اوسمین ظہورِ ذاتِ اجمل

لیالی مین جو لیلُ القدر افضل
تو افضل اوسے بیشک نزدِ اکمل

جو لیلِ مولدِ خیر الورا ہے
کہ رحمت اِسمین بس بے انتہا ہے

تو وہ دونو لیالی جو کہ منصوص
محمد اور احمد سے وہ مخصوص

مہینو مین جو افضل ماہِ رمضان
تو مولد شہر افضل اوسے ایجان

وہ دونو ماہ جو مذکور بالا
وہ ہین مخصوص بہرِ شاہِ طاہا

کتابونمین جو افضل ہے وہ قرآن
تو وہ مخصوص بہرِ ذاتِ فرقان

علومین جو افضل علمِ باطن
کہ وہ چون روح در جملہ مواطن

تو وہ مخصوص بہرِ ذاتِ احمد
محمد علم ظاہر سے وہ امجد

نہ ہر دو علم سے مخصوص زنہار
کوئی از انبیا نزدیکِ غفار

کہ ظاہر اور باطن سے وہ جامع
شریعت بھی حقیقت سے وہ لامع

سوا ذاتِ حبیب اللہ انور
کہ علم اوسپر ختم اللہ اکبر

وہی دارِ علومِ کبریا ہے
وہی علمِ علومِ انبیا ہے

وہ سبع بحرِ علمِ پُرصفا ہے
کہ قطرہ اوستے علمِ انبیا ہے

تو اون علومنسے وارث ہین یہ علما
یہ مثلِ انبیا ہادیٔ کملا

شریعت بھی حقیقت اونپہ ظاہر
نہین جستے کلیم اللہ ماہر

نہ موسےٰ پر علومِ خضر ظاہر
نہ علمِ اولیا سے خضر ماہر

اگرچہ خضر بھی از انبیا ہے
ولے اِن اولیا پر وہ فدا ہے

علومِ غوثِ ایزد بحرِ زخّار
ولے پیدا نہ ساحل اوسکا زنہار

وہ بیشک از علومِ مصطفا ہے
خبر اوسکی وہ از سرِّ خدا ہے

نہووے خضر کو اوسمین رسائی
کہ ہے وہ مرکزِ دورِ خدائی

لدنّی علم خضری جو کہ ظاہر
وہ ہے ہر آن اِن ولیونپہ ظاہر

یہ خضریٔ مصطفائی مشرباں ہین
کہ زیرِ پائے شہ گردن نہاں ہین

غرض جو چیز افضل ہے جہانمین
مکانمین ہوویا کہ لامکان مین

وہ سب مخصوص بہرِ مصطفا ہے
کہ وہ لاریب محبوبِ خدا ہے

جو مطلوبِ خدا اونکی رضا ہے
کہ وہ نورِ قدم نورِ خدا ہے

تو کیون کر اب خیوری سے ادا ہو
ثنا اوسکی کہ جسکا حق رضا جو

تو شہرون مین جو افضل ہے مدینہ
مدینہ معدنِ جملہ سکینہ

تو وہ مخصوص بہرِ مرقدِ پاک
کہ ہے جستے ہویدا سرِّ لولاک

کہ خلقِ خلق سے یکتا وہ مقصود
وہی ساجد وہی ہے ذاتِ مسجود

شفیعِ خلق اوس مرقد مین دائم
وہی روحِ خدا ہے زندہ قائم

وہی روحِ عوالم بالیقین ہے
اوسی سے زندہ یہ کون و مکین ہے

اوسیکی خاکپا فرشِ زمین ہے
اوسیکے فیض سے عرشِ برین ہے

وہی لاریب ہے ربّ العوالم
مفیضِ فیض بر جملہ اوادم

وہ مرقد افضلِ عرشِ برین ہے
وہ کعبے سے بھی افضل بالیقین ہے

جو ہمسایہ ہے اوسکا وہ مدینہ
مدینے مین وہ مرقد جون نگینہ

تو کیونکر ہو نہ مکے سے وہ افضل
کہ وہ لاریب عند اللہ اجل

اگر ہوتا بلاد اللہ مین افضل
مدینے سے کوئی بھی شہر اکمل

تو ہوتا اوسمین لابد مرقدِ پاک
کہ لائق وہ برائے ذاتِ لولاک

تو اب ثابت ہوا نزدیکِ اکمل
مدینہ ہے بلاد اللہ مین افضل

وہ لابد منظرِ ذاتِ خدا ہے
کہ واللہ اوسمین مرقدِ مصطفا ہے

وہ لابد مظہرِ نورِ خدا ہے
خدا کا نور جسمین مصطفا ہے

خدا اوس مصطفا سے کب جدا ہے
کہ وہ اوس مصطفائی سے خدا ہے

خیوری کا جہان یکتا خدا ہے
وہی افضل اوسی پر دل فدا ہے

عقیدہ ہے یہی جو کچھ کہ مذکور
مدینہ سب سے افضل جائے پُرنور

دلیلو نکا نہ اوسمین کچھ گذر ہے
دلیلون پر نہ کچھ میری نظر ہے

کہ لابد یہ محبت کا اثر ہے
کہ کوئے یار افضل بے خطر ہے

که وه جس شهر مین مسند نشین هے ۔ تو وه اس دلمین چون نقشِ نگین هے
اوسی مین نورِ ایمان اور دین هے ۔ یهی ایمان میرا بالیقین هے
که وه پیشِ نظر هر دم عیان هے ۔ که اوسکا مردمک پر بهی مکان هے
اوسیکے نقش کا یه دل نگینه ۔ کهے هر دم مدینه با سکینه
جو گوشِ هوش مین اوسکی ندا هے ۔ تو والله دلسے کو لبرکب جدا هے
کبهی مین شرق مین با سینه بریان ۔ کبهی مین غرب مین با چشم گریان
پهے چون باد در مُلکِ شمالی ۔ جنوبی سو مین چون آبِ زلالی
پریشان خاطر و حیران پهرون مین ۔ کبهی نالان کبهی چُپ هو رهون مین
شرابِ خون کبابِ دل غذا هے ۔ تنِ طنبور سے تیری صدا هے
یهی هے وِردِ هر دم اس زبان سے ۔ یهی هے درد هر دم اس جنان هے
که هووے میرا مدفن وه مدینه ۔ که جسمین آمنه کا هے خزینه
مدینے کی زمین هووے نه خُرسند ۔ که یه تن اوسمین هووے ایخداوند
تو صحرائے مدینے کے درندان ۔ کرین اوس لاش کو وه نُقلِ شادان
تو جسم و جان مدینے پر فدا هو ۔ تو شجرِ روضه پر جانکی سدا هو
توئی ربّی توئی مقصودِ ایمان ۔ توئی حَسبی توئی مسجودِ هر آن
تو روزِ حشر لابد یه مقالی ۔ اَغِثنی احمدا اُمدد بجالی
شفیعِ رُسل عند الله لاریب ۔ توئی یکتا مشفع هے بلا عیب

خیوری کو تو والله یه یقین هے
که احمد هی شفیع المذنبین هے

من نه گنجم در زمین و آسمان ۔ بلکه گنجم در دلِ بشکستگان
در دلِ مومن بگنجم اے عجب ۔ گر مرا جوئی دران دلها طلب
ابلهان تعظیم مسجد میکنند ۔ در جفائے اهلِ دل جد میکنند
آن مجازست این حقیقت ایخران ۔ نیست قبله جز درونِ سروران
مسجدی کان اندرونِ اولیاست ۔ سجده گاهِ جمله هست آنجا خداست
کعبه هر چندی که خانه برِّ اوست ۔ خلقتِ او نیز خانه سِرِّ اوست
چون ورا دیدی خدا را دیدهٔ ۔ گردِ کعبه صدق برگردیدهٔ
خدمتِ او طاعت و حمدِ خداست ۔ تا نه پنداری که حق ازوی جداست
تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد ۔ هیچ قومی را خدا رسوا نکرد
یه فرمانِ حنّانِ پروردگار ۔ کهای باعثِ خلق هر نور و نار
قسم مجکو اس شهر کی اے رسول ۔ که جسمین کیا تونے لابد حلول
یه تیرے قدم سے هوا بس امین ۔ یه هے آمِنًا اوس اے نازنین

جو هے خاکِ نعلین خیرُ الوریٰ ۔ قسم کهائے اوسکی خدائے سما
نه غیرت کا هرگز یه هے اقتضا ۔ که دائم قسم کهائے تیری خدا
بعمرِ حبیبی بر اسِ حبیب ۔ نه هے اسمین تعظیم ایسی نصیب
که جس طور با خاکِ نعلین هے ۔ که نعلینِ افضل زکونین هے
لهذا قسم کهائے ربُّ العُلا ۔ بخاکِ کفِ پائے خیرُ الوریٰ
جو قدمین تیرے سے حرمین هین ۔ وه دو نو جهانمین شریفین هین
ملا تیرے قدمون سے اونکو نصیب ۔ هو الکعب کعبه زکعبت کعیب
صفا کو دیا تونے صد ها صفا ۔ بهی تیری مُروت سے مروه هوا
جو هے چاهِ زمزم مین تیری وه چاه ۔ تو وه چاه تیری سے هے اهلِ جاه

نہ ہوتا وہان آمنہ کا ظہور
نہ مولد کا ہوتا وہان پر سرور

تو ہرگز نہوتی دعائے خلیل
کہ یہ شہر ہوا امِنًا اسے جلیل

نہ اوسطرف ہوتا وہ شدُّ الرّحال
نہ جاتے اوسیطرف لاکھون رجال

نہین بلکہ اوسکا نہوتا نشان
چہ جائیکہ ہو شہر دار الامان

نہوتا مدینہ جو ہجرت کی جا
نہوتا وہان روضہ مُصطفا

تو ہوتا نہ وہ مَنظرِ کردگار
نہوتے ملائک وہان جان نثار

جو ہے جائے روضہ زفرشِ زمین
نہوتی وہ افضل زعرشِ برین

جو ہے خاکِ پاکِ مدینہ حبیب
وہ کامل شفا ہے اگر ہو نصیب

وہ کُحلُ البصیرت برائے ضریر
وہ کُحلُ الجواھر برائے بصیر

دوائے دلِ دردمندان سدا
وہی جملہ امراض کی ہے شفا

وہ تیرے قدم سے مشرّف مکان
کہ ہے لامکانمین قدم کا نشان

نہ تجکو کسی چیز سے اِفتخار
و لے اوس سے جو لامکانمین نگار

وہ فرمائے اسطور سے دمبدم
کہ با خاک پائے تو مارا قسم

خدا کو اوسی خاکِ پا کی قسم
حبیبی کو اوسکی قَسم دمبدم

نہ ماہر کوئی اِسمین اہلِ حِکَم
یہ کسکی قسم کیا وہ سِرِّ قَسم

خیوری محمد کی تجکو قسم
زکشفِ حقیقت تو کراب رقم

نہ ماہر مین اوسے وہ سِرِّ خدا
خدا جانے اونکو جو ہین مُصطفا

مُحمّدؐ حقیقت مین سرِّ قَدَم
قَدَم کی قسم ہے یہ سِرِّ قسم

وہ کعبہ جو ہے عکسِ خیر الورا
یہی سرّ اوسکا یہ سِرِّ خدا

جو ہے دستِ محبوبِ خیر الورا
یُدُ اللہ وہی ہے بلا اِمترا

جو ہے عکس اوسکا وہ بین الانام
کہین حجرِ اسود اوسے خاص و عام

وہ جائے جو ہے مسکنِ مُصطفا
وہ کعبے سے افضل بلا اِمترا

یہ کعبہ خلیلی وہ کعبہ جلیل
وہ ساجد یہ مسجودِ ربِّ الخلیل

کیا اوسکی تعمیر لابد خلیل
کیا اسکی تخمیر بیشک جلیل

قال اللہ تعالیٰ فی حق آدم استفتحا خمّرتُ طینۃ آدم بیدیّ اربعین
صباحًا ھکذا فی التحبیر

گدائے محمدؐ جو در کائنات
وہ کعبے سے افضل بصد بیّنات

کہا اوسکو بیتی خدا الجبار
کہ ہو پاک بہرِ طوافِ کبار

کہا اوسکو یا عبدی ہفتاد بار
کہ یہ مسکنِ ذاتِ پروردگار

یہی خانۂ برِّ ابرار ہے
وہی خانۂ سِرِّ اسرار ہے

یہی خانہ ہے کعبۂ اتقیا
وہی خانہ ہے کعبۂ کبریا

اگرچہ یہ کعبہ مطافِ کبار
و لے اوسکا طائف وہ لیل و نہار

ہمہ حجرِ اسود کو چومین مدام
یہ چومے قَدَم اوسکا با احترام

وہ قبلہ نما ہے قبلہ ضرور
مَطافِ الٰہی وہ سِرِّ سرور

جو ہے دید اوسکی وہ دیدِ خدا
خدا دید اوسکی ہے ہو کب جدا

خیوری وہ ہے دیدۂ مُصطفا
تو دیدۂ خدا ہے وہ دیدہ خدا

جو ہے شہرِ مکّہ مین کعبہ عیان
تو لابد وہ افضل نہ اِسمین گمان

مدینے مین ہین جب شفیع الورا
تو افضل وہ لاریب نزدِ خدا

جہان مصطفا ہے وہانپر خدا
جہانپر خدا ہے وہان مُصطفا

خدا مصطفا سے نہووے جدا ۔ جدا مجتبیٰ سے نہووے خدا
یہان مصطفا اور خود وہ خدا ۔ وہان کعبہ انکی جو ہے خاکپا
وہ کعبہ جو ہے مظہرِ فیضِ جود ۔ تو جودِ محمدؐ سے اوسکا وجود
تو کیونکر نہ افضل جو شہرِ حبیب ۔ کہ ہے جسّے کعبے کو عزت نصیب
یہ لاریب اظہر دلیلِ مُبین ۔ کہ شرفُ المکانِ ز شرفِ المکین
ہوئی شرفِ کعبہ و عرشِ برین ۔ زپائے حبیبی شہِ مُرسلین
مدینہ جو انگشتری ہے عیان ۔ تو اوسمین نگینہ شہِ دوجہان
مُعزز نگینے سے انگشتری ۔ جو اہلِ نظر اوسکا ہے مشتری
جو افضل ہمہ چیز نزدِ خدا ۔ جو اوسکے خزانے مین اجمل سدا
حبیبِ خدا پر وہ جملہ نثار ۔ کہ وہ افضلِ خلقِ پروردگار
تو جو سب سے افضل بھی مختار ہے ۔ وہی اوسکو بیشک سزاوار ہے
تو افضل مدینے سے ہوتا اگر ۔ کوئی شہر اے حاذقِ نامور
تو ہوتا وہی مسکنِ مُصطفا ۔ ملائک بھی ہوتے اوسی پر فدا
بھی ہوتا وہی منظرِ کردگار ۔ ہمہ وقت تا روز زروزِ شمار

خیوری یہ مقبول نزدِ غفور ۔ کہ مکّے سے افضل مدینہ ضرور

خدا فرما چکا قرآن مین لاریب ۔ گنہگاران اُمت ہین جو پُرعیب
وہ آوینؐ پاس تیرے چشم گریان ۔ طلبِ غفران کرین باسینہ بریان
وہ استغفار پر ہون جبکہ شیدا ۔ مدد اونکی کرین تو بھی ہویدا
کرینؐ اونکے لیئے تو جب شفاعت ۔ تو بخشے پھر خدا اونکی شناعت
کَمَا ھُوَ قَائِلٌ قَوْلَہٗ کَرِیْمًا ۔ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا

وہ تینو امر ہوویں جبکہ موجود ۔ تو بخشے اونکی عصیان ربِّ محمود
وہ ہون مقبولِ توبہ نزدِ رحمان ۔ کرے اونپر ہمیشہ رحم یزدان
یہ فیضِ مصطفا ہے جبکہ دائم ۔ شفاعت پر ہمیشہ ہین وہ قائم
وہ مقبولِ شفاعت نزدِ ایزد ۔ کہ ہووے جسّے عاصی پاک اسعد
یہ جاری فیض اونکا ہے شب و روز ۔ قیامت تک بصد امدادِ پرسوز
ثواب کیونکر نہو مکّے سے افضل ۔ مدینہ پُر سکینہ شہرِ اجمل

خیوری کا یہی لاریب ایقان ۔ مدینہ باسکینہ عینِ ایمان

وہ اول وہ آخر رؤف و رحیم ۔ وہ ظاہر وہ باطن وہ بیشک علیم
وہ میمی نقابِ رُخِ دلربا ۔ حدوث و قدم مین وہ برزخ سدا
وہ سلما حدونی جو ہے مہ جبین ۔ وہ لیلیٰ قدم جو بسے نازنین
وہ ہردو نمودار از یک حجاب ۔ کہین جسکو احمدؐ رسالت مآب
وہ ہے اُمّ اُمّ اور اُمّی لقب ۔ وہی آدم و آدمی کا نسب
وہ ہے روحِ اعظم وہ حُبِّ قدیم ۔ وہ ہے پدرِ ارواحِ خُلقِ عظیم
وہ رُوحِ خدا ہے وہ رَوحِ الٰہ ۔ وہ خلقِ خدا کی ہمیشہ پناہ
وہ ہے سرِّ مطلق وہ شانِ عجیب ۔ مقیّد نہ ہرگز وہ نزدِ لبیب

وہ سرِّ عوالم وہ مقصود ہے ۔ خیوری کا ہردم وہ مسجود ہے

ہوا فرمانِ ایزد جب ہویدا ۔ کہ اے محبوب دلہا تجپہ شیدا
تو کر مکّے سے ہجرت اب نمودار ۔ کہ ہون خلقت مین ظاہر اوسکے اسرار
رہین خواری و ذلت مین یہ کفار ۔ کرین تجپر فدا دل جملہ انصار

خدایا تب ہوا مین رخت بردار ز سوزِ دل بعزمِ ہجرتِ دار
تولدگاہ میرا ہے جو پُرنور دلِ خلقِ عوالم جسّے مسرور
ہوا رحمت کا چشمہ جس سے فوّار ہوئے اوسپر ملائک بسکہ زوّار
جو ہے مکّے مین کعبہ تیرا خانہ وہ طیرِ دل کا دائم آشیانہ
سماعیلی خلیلی وہ بنا ہے جلیلی ذات کی اوسپر ثنا ہے
جو بندے خاص تیرے تجپہ قُربان وہ طائف اونکا دائم بادل وجان
وہ لابد مجپہ دائم بسکہ شیدا تیرے انوار اوس گھر سے ہویدا
وہ ہے بلدِ امینِ آمنہ جب توہے وہ آمنا لاریب یارب
جو وہ بلدِ امین دلپر نگین ہے تو وہ محبوبتر بس نازنین ہے
جدائی اوسکی مجپر ناگوارا ولے اوسے کیا ہجرت خدارا
وہ ہے نزدیک میرے بسکہ محبوب وہ محبوبِ ترین ہے بسکہ مرغوب
جو ہو نزدیک تیرے ایخداوند ہمہ شہرون سے افضل شہر دلبند
وہ ہو خیرِ بلاد اللہ خدایا احبُّ الارضِ حق نزدِ برایا
وہ ہو محبوبتر چون شمع پیدا تو دلہا اوسپہ چون پروانہ شیدا
وہ ہووے جامع خُبتین لاریب وہ سب شہرون سے افضل ہو بلاعیب
وہ ہو محبوبتر نزدیکِ غفّار ہمہ شہرون سے اَجمل در ہمہ کار
وہ ہو محبوبتر نزدیک احمد ہمہ شہرون سے اکمل اور امجد
تو دے اوسمین سکونت مجکو دائم دل و جان سے رہونمین اوسمین قائم
حیاتِ دنیوی اوسمین رہے شاد کہ نصر اللہ سے ہووے دین آباد
کرون مین فتح اوس بلدِ امین کو تو ہو حاصل ترقی میرے دین کو
تولدگاہ میرا جسمین پُرنور وہ دین اللہ سے دائم ہووے مسرور
کرون مین پاک کعبہ مشرکین سے وہ ہو آباد دائم مومنین سے

طوافِ خاص بندون سے وہ مسرور وہ انکے ذکر سے معمور و پُرنور
خدایا جو کہ اسرارِ نہانی عیان تجپر توئی یکتائے جانی
جو درد و سوزِ اُمّت کا جنان مین عیان تجپر نہ ظاہر ہو بیان مین
اگر بخشین تو اونکو تیرے لایق کہ ہے رحمت غضب پر بسکہ فائق
مُلوث جبکہ آوین وہ گنہگار تو مغفور ین جاوین بادلِ زار
وہ جاوین چشمِ گریان سینہ بریان وہ ایمان سے نہون زنہار عریان
وہ تیرے پاس با ایمان آوین وہ تیری دید سے پھر دید پاوین
کہ وہ میری شفاعت کے سزاوار تو ایمان پر وہ گذرین جملہ زوّار

خیوری بھی طفیلِ جملہ زوّار
رہے دیدارِ احمد سے وہ سرشار

کیا مقبول حق نے اوس دعا کو کیا مبذول احمد پر عطا کو
ہوا فرمانِ حق یا نُور نوری دلِ خلقت ہوا جسّے سروری
وہ ہے شہرِ مدینہ با سکینہ وہ ہے لاریب رحمت کا خزینہ
کرون مین اوسے نصرت کا دفینہ عیان اونپر جو ہین زمرِ آئینہ
کرون مین فتح مکہ جو متینہ مدینے سے جو ہے از بس رصینہ
جو آوین زائرین اہلِ سفینہ مدینے مین وہ ہون باشرح سینہ
جو ہے تیری شفاعت بس رزینہ تو ہو وین زائرین اوسے تمینہ
جو ہے دربار تیرا بس زکینہ کہ جسکا عرش ادنیٰ ایک زینہ
مشرّف اوسے ہو عین آئینہ کہ ہے دلپر محبت کا نگینہ
نہ مانے اِسکو جو ارذل کمینہ ہوا پیدا وہ از نطفۂ لعینہ
وہ ہو نارِ جہنم مین رہینہ کہ از ابن مغیرہ وہ قرینہ

خیوری جسکا ہے نفسِ سمینہ
تو کب مانے وہ کلماتِ مبینہ

محبو کیا دلیلون سے سروکار
حبیبی کا ہوا مسکن جہان پر
منزہ ہے خدا اگرچہ مکان سے
ولے میرا خدا ہے در مدینہ
خدا کا استوا عرشِ برین پر
نہین بلکہ اوسیکا استوا ہے
قدمبوسی سے یہ فرشِ زمین ہے
مدینے مین جو لولاکی امین ہے
وہی اصلِ وجودِ جملہ عالم
نہین بلکہ وہی روحِ الٰہ ہے
محمدؐ سے خدا پیدا ہوا ہے
نہوتے وہ اگر پیدا زمین پر
وہ کعبِ کعبہ ہین زمین پر
وہی اصلِ فضیلت سب سے افضل
مدینہ جبکہ جارِ مصطفا ہے
ہوئی جب جلد مصحف جارِ قرآن
نہ مس اوسکو کرے الا المطہر
کہ ہے تعظیما اوسکی عزِ قرآن
ہوئی جب جلد کو تعظیم حاصل
تو مکے سے مدینہ کیون نہ افضل

طلب اونکی ذلیلون کو سزاوار
وہی محبوب تر باللہ اکبر
زمان سے وہ قدیمی بھی نشان ہے
دلِ انگشتری پر چون نگینہ
مدینے کا ہوا فرشِ زمین پر
وہی دونو پہ بھی غالب سدا ہے
تصدق نعل پر عرشِ برین ہے
وختم الانبیا و مرسلین ہے
وہ اُمِّ اُمّ اصلِ روحِ آدم
وہ روحِ روح خلقت کی پناہی
تو احمد پر خدا شیدا ہوا ہے
تو کب ہوتا خدا عرشِ برین پر
وہی عرشِ متین عرش برین پر
وہی نورِ خدا ہے سب سے اجل
تو مکے سے وہ افضل برملا ہے
تو اوسکو ہے شرافت اِسے ہر آن
جو ہو غسل و وضو سے پاک اطہر
وہ حرمت مین برابر مثلِ فرقان
جوارِ مصحفی سے نزدِ واصل
جوارِ مصطفا سے نزد اکمل

گلستان ہین یہ غنچہ ہے شگفتہ
نہ طفلون پر خیوری وہ نہفتہ

گلِ خشبوئے در حمام روزے
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
بگفتا من گلِ ناچیز بودم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد
ہوئی کعبے سے مکے کو شرافت
شرافت بھی لطافت اونکو لاریب
تو جو اصلِ شرافت کا ہوا جار
وہ دارِ پادشاہِ دو جہان ہے
وہ دارِ نورِ ایمان با امان ہے
وہ در جسمِ جہان چون دل ہویدا
مدینہ مسکنِ نورِ خدا ہے
وہی نورِ زمین و آسمان ہے
اساسِ قبہ جملہ عوالم
وہی فاتح وہی خاتم بلاریب
ذرِ صلوات و تسلیماتِ ایزد
بھی اونکی آل پر جو چون سفینہ
صحابہ اور ازواجِ نبی پر
نثارِ جملہ اشعارِ خلائق
الی ابد الابد ہر لحظہ ہر آن

رسید از دستِ محبوبے بدستم
کہ از بوئے دلاویزِ تو مستم
ولیکن مدتے با گل نشستم
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم
ملی کعبے کو احمد سے لطافت
ملی احمد سے بے نقصان و بے عیب
وہی اشرف وہی الطف ازان دام
جہان جنکے قدم سے بانشان ہے
امان ایمان باوسی سے در جنان ہے
تو اہلِ دل ہمہ اوسپر ہین شیدا
خدا پر جو فدا اوسپر فدا ہے
وہی یکتا حبیبِ لامکان ہے
وہی یکتا وہی اصلِ اوادِم
وہ شرکت سے منزہ ہے بلا عیب
تصدق باد بر نورِ محمد
دگر اونپر جو ہین اہلِ مدینہ
نجومِ دین جو ہین وہ جملہ رہبر
نثارِ جملہ اسرارِ حقائق
منور نور بخش چون زبرقان

خیوری پڑھ تو اپنا وردِ امجد
اغثنی یا محمد یا محمد

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَسْتَغْرِقُ الْعَدَدَ
تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ السَّرْمَدْ
وَسَلَامًا بَاقِیًا اِلَی الْاَبَدْ
لَاغَایَۃَ لَہٗ وَلَا
اَمَدْ

خیوری یہی قول ہے پُر جمال
وہ دارِ خدا مین خدائے جلال

یہ لاریب فرمانِ خیر البشر
کہ جو خویش میرے و دیگر عرب
نہ جانے کوئی دل سے اُنکے حقوق
منافق وہ ہے یا کہ ابنِ حرام
و یا حمل اوسکا ہوا باقرار
کہ در حالتِ حیض حمل اُسپہ
تو جب خبثِ باطن سے اُسکی سرشت
تو منکر ہوا وہ زخیر العباد
وہ منکر زخویشانِ خیر الورا

درودِ خدا اون پہ شام و سحر
مہاجر وہ انصار اہلِ ادب
تو خالی نہ اِن تین سے وہ علوق
زنا سے وہ پیدا ہوا لاکلام
بلا طُہر در حالتِ خُبث دار
پلیدی مین لابد ہوا مُستقر
وہ ہے لتّہ حیض باخوئے زشت
کہ ہر طور ہی اُس مین خُبثِ نہاد
وہ ہے آلِ طاہر کا دشمن سدا

وہ اہلِ عرب سے رکھے کب وداد
چہ جائی کرے وہ ادائے حقوق
جو حرمین ہین دارِ امن و امان
جو سُکان اُنمین خواص و عوام
وہ ہمسایگانِ خدا و رسول
مُقَدَّم شفاعت مین وہ بالیقین
مدینہ مین جو سُنّیانِ کرام
نہ گذرے کوئی کفر پہ زینہار
جو سُکّانِ حرمین ہین سُنّیان
جو اَولادِ ابنِ مغیرہ عیان
حقارت کرین اہلِ حرمین کی
کہین اونکو حربی وہ قاسی سلان
خدا کا غضب منکر و نیز مدام
وہ موذیئے سُکّانِ حرمین ہین
وہ موذیئے خیر الورا بیگمان

کہ ہے دشمنِ ذاتِ خیر العباد
کہ ہے خُبثِ نطفہ سے اُس کا علوق
وہ دارِ حبیبی شہِ دو جہان
حبیبِ خدا پہ فدا وہ مدام
علی حسبِ رُتبہ وہ اہلِ قبول
مراتب مین وہ جملہ ہین سابقین
تو ہو خاتمہ خیر اُنکا مدام
جوارِ حبیبی مین نزدِ کبار
تو اُن پر کرین منکرین بدگمان
تو اُنکی مذمت کرین یہ بیان
نہ حرمین بل شاہِ ثقلین کی
کہ حرمین ہرگز نہ جائے امان
وہ ابنِ مغیرہ وہ ابنِ حرام
وہ دارین مین لبسکہ پُرشین ہین
تو ہے اونپہ لعنِ خدائے جہان

وہ ہین جبکہ ملعونِ ربّ العباد
تو دائم خیوری سے اونکو عناد

ذاتِ مسکن مصطفیٰ وہ مظہرِ روحِ خدا | وہ کنزِ نورِ کبریا جانِ جنان اوس پر فدا
لابد ظہورِ ذوالمنن اوس سے ہویدا ہے محن | وہ نورِ ایمان کا وطن بیشک وہی میرا خدا
جملہ زمین و آسمان جملہ مکان و لامکان | اوس سے ہمیشہ ہین عیان وہ نورِ ذاتِ کبریا
جو عرشیان و فرشیان خدام اوسکے ہر زمان | حُبِ محمد حرزِ جان اونکا وظیفہ برملا
ظاہر مین بندہ بالیقین باطن مین ربِ العالمین | ہے نورِ قرآنِ مبین قرآنِ ناطق مصطفیٰ
وہ عابد و معبود ہے وہ ساجد و مسجود ہے | وہ حامد و محمود ہے وہ شافع روزِ جزا
احمد مکان مین عیان ہے وہ احد در لامکان | ہے میم برزخ درمیان وہ وحدہٗ بین الورا
ولسوف یعطی جو بیان ہے ما رمیت سر آن | وہ سرِ مطلق جانِ جان حُبِ خدا اوسکی رضا
عرش و ہمہ وہ عرشیان کعبہ ہمہ وہ مکیان | یہ دردا اونکا ہر زمان خاکِ مدینہ کحلِ ما
تُربتِ مدینہ سے جنان ہے وہ شگفتہ جنان | انہار چشمون سے روان ہر آن ہر صبح و مسا
اے شافعِ جملہ رسل وے نافعِ ہر جزو کل | دے رافعِ اربابِ دل بنمارہِ روضہ بقا
دردِ دلی کی جود وا کر لطف سے مجکو عطا | ماہر نہین تیرے سوا اوس درد کو کوئی شہا
ہجرِ مدینہ سے دلم باآہ و نالہ پُر الم | یا سیدی رب الامم بنما وصالِ جان فزا
اوس آستانے پر یہ جان دائم رہی سجدہ کنان | وہ طائفِ روضہ روان سبحان ربِ العلا
جسکا توئی غمخوار ہے اوسکا تو سب غمخوار ہے | جس دل کا تو دلدار ہے وہ زار کب ہے ہر سرا
اے شمعِ کنزِ کردگار دل سوختہ پروانہ وار | پروانہ اوسکو نہار جز رویتِ طہٰ ہا لقا

اُمددا اغثنی یا حبیب ارحم اجب ربی المجیب
بہرِ ہمہ آلِ الحبیب مسکین خیوری کی دعا

اختتامیہ

مولانا خیر الدین خیوری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ برعظیم پاک و ہند کی مظلوم ترین شخصیتوں میں سے ہیں۔ ان کا تبحرِ علمی، درس و تدریس اور وعظ و تذکیر میں ان کی مخلصانہ کاوشیں، مختلف علوم میں ان کی منتہیانہ حیثیت، تصنیف و تالیف میں ان کی نمایاں کارکردگی، علم و دانش اور تبلیغ و فروغ شعائرِ دینی کے لیے مختلف ممالک میں ان کے اسفار .... ان میں کون سی ایسی عادت یا کوشش تھی کہ ان کے حالات کو پردۂ اخفا میں رکھا جاتا۔ اگر اولاد میں سے کوئی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کا حامل تھا اور بوجوہ اپنے والد سے مختلف راستے کا راہی بنا تو کیا اس کے لیے یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ وہ اپنے والد کے حالات نہ لکھے، خود کو شاعر کہلوانے کے شوق میں والد کی شاعری ہی کو تسلیم نہ کرے۔ اور پھر، والد کی دین سے گہری وابستگی اور محبت کی دشمنی میں ہندوؤں کا تابع مہمل بن جائے۔ والد کا دینی تشخص اور علمی تخصص اسے غیر مسلموں کو منبر رسول ﷺ پر بٹھانے، ان سے مدرسوں، مسجدوں کا افتتاح کروانے اور انھیں خوش کرنے کے لیے تفسیری 'اجتہاد' پر اکسائے۔ اسے اپنے والد کی محبت رسول ﷺ، تحفظ ناموسِ رسالت کی کوششوں سے ناپسندیدگی اس کے مخالف جادے پر گامزن کردے۔ یہ کیا کہ والد اگر اپنے آقا و مولا حضور رسول اکرم ﷺ کی شان کے خلاف کوئی فقرہ، لفظ یا شوشہ برداشت نہ کرنے کی غیرت ایمانی رکھتا ہو تو بیٹا قادیانیوں سے ربط ضبط قائم کرلے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اولاد بعض اوقات اپنے ماں باپ کی راہ سے الگ یا مختلف راہ بھی اپنا لیتی ہے اور اس کے لیے کوئی مذہبی، سیاسی یا اخلاقی جواز بھی رکھتی ہے یا تلاش کرلیتی ہے۔ بعض ناخلف اپنے والدین سے دشمنی کی حد تک بھی چلے جاتے ہیں لیکن اس مخاصمت کی مثالیں کم ملتی ہیں کہ کوئی دین ہی کی نئی تعبیر کردے یا اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس ہی کو داؤ پر لگادے۔

ابوالکلام مولانا خیر الدین کی دین سے محبت و عقیدت سے یوں نفور ہوئے کہ ہندو مسلم

اتحاد سے آگے بڑھ کر متحدہ قومیت کے پرچارک بن گئے۔ حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے میرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرنے لگے‘ اس کے جنازے میں شریک ہوئے‘ قادیان میں ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے ’’رنگیلا رسول‘‘ قسم کی کتابوں کی اشاعت پر مسلمانوں کو غیرت وحمیت کا مظاہرہ نہ کرنے کی تلقین کی...... اور پتا نہیں کیا کیا۔

مولانا خیر الدین تصوف کے داعی تھے‘ پیرِ طریقت تھے‘ ان کی حضور پُرنور ﷺ سے محبت واضح ہے‘ تبلیغِ دین میں ان کی کاوشیں سامنے ہیں‘ انھوں نے حضور فخرِ موجودات باعثِ ظہورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے آباء واُمّہات کے ایمان پر دلائل و براہین سے پُر کتاب لکھی‘ وہابیوں کے خلاف تصنیف وتالیف اور زبان وبیان کے ذریعے آواز اٹھائی‘ ناموسِ صحابہ اور ناموسِ اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے کارروائیاں کیں‘ حرمِ کعبہ میں وعظ کرتے رہے۔ قرآنِ مجید کے معارف وغوامض پر سالہا سال درس دیا۔ شاید نقشبندی سلسلے کے مجاز تھے لیکن وحدت الوجود کا پرچار بھی کرتے رہے۔ کسی کو ان سے مسلک یا کسی موضوع کے اعتبار سے اختلاف ہو تو اس کا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن ان کے تذکرے ہی سے اغماض کا کیا جواز ہے۔ کچھ لوگوں نے ابوالکلام پر لکھتے ہوئے چند سطروں یا چند پیروں میں ان کی بات کی ہے۔ اسی طرح جہاں مجبوری آن پڑی ہے‘ وہاں ابوالکلام نے بھی اچھا یا بُرا‘ ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے کچھ حالات سب سے پہلے پروفیسر سید شفقت رضوی نے خاندانِ ابوالکلام کے حوالے سے بیان کیے۔ اور اب راقم الحروف نے ان کی نعت گوئی کو سامنے لانے کی نیت سے زیرِ نظر کام کیا ہے۔ ربِّ کریم ان کی دین‘ شعائرِ دین اور سرکارِ ابد قرار ﷺ سے محبت وعقیدت کو قبول فرمائے اور ان کی خامیوں غلطیوں سے درگزر فرمائے۔

ابوالکلام کو جتنی والہانہ محبت ہندوؤں‘ ہندوازم اور قادیانیوں سے تھی‘ کاش اس کا دسواں بیسواں حصہ اپنے والد سے ہوتی۔

☆☆☆☆☆

حواشی وتعلیقات

۱۔ آزاد‘ ابوالکلام۔ تذکرہ (مرتبہ فضل الدین احمد مرزا) مکتبہ احباب‘ لاہور۔ س ن۔ ص ۲۷/ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ معیارِ ادب‘ کراچی۔ ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۱۹

۲۔ تذکرہ۔ ص ۲۷‘ ۲۸/ افضل حق قرشی (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ الفیصل‘ لاہور۔ جون ۱۹۹۲ء۔ ص ۴۲‘ ۴۳ (مضمون ’’خاندان وسوانح‘‘ از مولانا غلام رسول مہر)

۳۔ اسحٰق قریشی‘ ڈاکٹر محمد۔ برِصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ مرکزِ معارفِ اولیا؛ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب‘ لاہور۔ طبع اوّل۔ شوال ۱۴۲۳ھ/ دسمبر ۲۰۰۲ء۔ ص ۸۶۰

۴۔ عبدالرزاق ملیح آبادی (مرتب)۔ ابوالکلام کی کہانی‘ خود ان کی زبانی۔ مطبوعاتِ چٹان‘ لاہور۔ اشاعتِ دوم کیم جنوری ۱۹۶۳ء۔ ص ۷‘ ۸/ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۷

۵۔ ضیاء الدین لاہوری۔ جوہرِ تقویم۔ جمعیت پبلی کیشنز‘ لاہور۔ طبع جدید اپریل ۲۰۰۴ء۔ ص ۲۱۸‘ ۲۱۹ .... پروفیسر سید شفقت رضوی لکھتے ہیں ’’تاریخ پیدائش کی تصدیق مولانا آزاد کے اس ڈیکلریشن سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے اپنے پاسپورٹ بنوانے کے سلسلے میں داخل کیا تھا (شفقت رضوی‘ سید۔ ایک علمی خاندان۔ ادارہ تحقیقاتِ افکار وتحریکاتِ ملی پاکستان‘ کراچی۔ ۱۹۹۰ء۔ ص ۲۰)

۶۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۷‘ ۶۸ .... پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں کہ ’’طبِ مغربی کے حصول کے لیے وہ آگرہ گئے اور وہاں یورپین ماہرین طب سے یہ علم حاصل کیا۔‘‘ (ایک علمی خاندان۔ ص ۲۰)

۷۔ شورش کشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ مطبوعات چٹان‘ لاہور۔ اشاعتِ سوم اکتوبر ۱۹۹۹ء۔ ص ۱۴

۸۔ برِصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۰

۹۔ دنیائے نعت (تنقیدی و معلوماتی کتابی سلسلہ) کراچی۔ سلسلہ نمبر ۳۔ مارچ ۲۰۰۴ء۔ ''نعت نمبر'' (مرتب: عزیز الدین خاکی)۔ ص ۱۰۲۔ مضمون ''برِ صغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری: ایک جائزہ'' از راجا رشید محمود)

۱۰۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴

۱۱۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ ص ۶۸ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے لکھا ہے کہ وہ تقریباً ۶۰۔۱۸۵۹ میں ہندوستان سے حجاز شریف لے گئے تھے (آہ دہلوی' ابوالنصر' غلام یٰسین۔ الخیام۔ ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ' کراچی۔ ۱۹۹۷۔ ص ۱۶۔ تقدیم و تعارف از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری) محمد رفیق ملک تفصیل میں نہیں گئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر (جنگ آزادی ___ محمود) کے بعد آپ (آزاد) کے والد کو ہندوستان چھوڑنا پڑا اور وہ کئی سال عرب و قسطنطنیہ میں رہے (انتخاب ''الہلال۔ ابوالکلام آزاد۔ ادبستان لاہور۔ س ن۔ ص ۲) یہ بات درست نہیں۔ وہ جنگ آزادی کے بعد نہیں پہلے گئے تھے۔

۱۲۔ شفقت رضوی' سید۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۰' ۲۱

۱۳۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۱

۱۴۔ مالک رام (مرتب) خطوطِ ابوالکلام آزاد۔ جلد اول۔ الفیصل لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء۔ ص ۳۹۔

۱۵۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰' ۱۲۱ عبداللہ بٹ نے مولانا خیر الدین کے عرب سے کلکتہ آنے کا سن بھی ۱۹۰۷ کے بجائے ۱۸۹۸ لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ (ص ۱۲۲)

۱۶۔ ایضاً۔ ص ۲۱

۱۷۔ پتا نہیں' غلام رسول مہر کا ماخذ کیا ہے۔ سید شفقت رضوی نے بھی ایک جگہ ان کا نام عالیہ (ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱) اور اٹھارہ صفحوں کے بعد زینب لکھا ہے۔ ''شیخ محمد ظاہر وتری نے اپنی بھانجی زینب ان کے عقد میں دی'' (ص ۳۹) جبکہ خود ابوالکلام کہتے ہیں: ''میری والدہ کا نام زینب تھا'' (خطوط ابوالکلام آزاد مرتبہ مالک

رام۔ ص ۳۹)

۱۸۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ ص ۶۸

۱۹۔ مالک رام۔ مولانا ابوالکلام آزاد' پہلے بیس سال (مضمون) مشمولہ تحریر دہلی۔ ص ۲۸۔ بحوالہ ایک علمی خاندان۔ ص ۳۹

۲۰۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱

۲۱۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴

۲۲۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱' ۲۲

۲۳۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰

۲۴۔ مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد مع خطبۂ صدارت۔ کتب خانہ عزیزیہ دہلی۔ س ن۔ ص ۴۔ مضمون ''کانگریس کے نئے صدر'' از آصف علی ایم ایل اے/ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۲۱ (عبداللہ بٹ نے بھی لکھا' قیام ترکی کے دوران میں سلطان نے مولانا کی کتابیں اپنے خرچ سے قاہرہ میں چھپوا کر شائع کیں (ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۱)

۲۴۔الف) مولانا خیر الدین نے ''اسباب السرور لاصحاب الخیور'' کے صفحہ ۱۸۵ پر اس کی قیمت ۸ آنے لکھی ہے لیکن راقم الحروف کے پاس جو کتاب ہے' اس میں موجود ''اعلانِ پُر برہان'' میں قیمت ساڑھے پانچ آنے چھپی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے' بعد میں قیمت بڑھا دی گئی ہو۔

۲۵۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱

۲۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۱۱۹' ۱۲۰' ۱۲۱

۲۷۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۱۹۱

۲۸۔ شورش کشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴

۲۹۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۴۶

۳۰۔ عبداللہ بٹ۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰' ۱۲۱

۳۱۔ تحقیق (مجلہ) جلد ۲۔ شمارہ ۴۔ ناشر کلیہ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ پنجاب یونیورسٹی

لاہور۔ص ۹۵،۹۶ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہفت روزہ اُردو اخبار ''سراج الاخبار''، جہلم کے شماروں سے تحریروں کا انتخاب از افضل حق قرشی)

۳۲۔ برِصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ص ۸۶۱

۳۳۔ ایک علمی خاندان۔ص ۴۵

۳۴۔ کاروانِ خیال۔بساطِ ادب لاہور۔بار چہارم ۱۹۷۴۔ص ۵۳ تا ۵۵

۳۵۔ ایضاً۔ص ۶۴

۳۶۔ اقبالؔ۔کلیاتِ اقبالؔ (اُردو)۔ص ۳۳۲ (بالِ جبریل۔ص ۴۰، غزل نمبر ۱۷ کا مطلع)

۳۷۔ ایک علمی خاندان۔ص ۱۲۱

۳۸۔ الہلال۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۲۔ص ۳۔بحوالہ ''برِصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۱۔

۳۹۔ شورش کاشمیری۔ابوالکلام آزاد۔ص ۱۴، ۱۵، ۱۶

۴۰۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ص ۶۸

۴۱۔ خطوط ابوالکلام آزاد۔ص ۴۰، ۴۱

۴۲۔ ایک علمی خاندان۔ص ۲۲

۴۳۔ قاسم محمود، سیّد۔مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی۔ص ۱۰۵۶

۴۴۔ پاکستان اسٹیٹ آئل ریویو۔کراچی۔خصوصی حج نمبر ۱۴۰۸ھ ''حرم سے حرم تک''۔ ص ۱۰ (مضمون ''کعبۃ اللہ: المسجد الحرام'' از شاہ مصباح الدین شکیل)

۴۵۔ سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان۔سفرنامہ حجاز (تاریخ الحرمین) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔اشاعت ثانی ۱۹۸۶/۱۴۰۴ھ۔ص ۱۸۲

۴۶۔ معراج الاسلام، محمد۔مسجد نبوی ﷺ۔مکتبہ دربار شریف فیصل آباد۔س ن۔ص ۱۷۹

۴۷۔ اسلم جیراجپوری، حافظ محمد۔تاریخ الامت حصہ ہفتم: آلِ عثمان۔محبوب المطابع دہلی۔ بار اول ۱۹۳۰۔ص ۸۹

۴۸۔ ایضاً۔ص ۸۹، ۹۱

۴۹۔ غلام یٰسین آہ دہلوی، ابوالنصر۔الخیام (تکملہ از ابوالکلام آزاد)۔ابوالکلام آزاد ریسرچ

انسٹی ٹیوٹ کراچی۔۱۹۹۷۔ص ۲۶۔ (''تقدیم و تعارف'' از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری)

۵۰۔ تاریخ الامت۔حصہ ہفتم: آلِ عثمان۔ص ۹۲، ۹۷

۵۱۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ابوالکلام آزاد۔ص ۲۱/مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد۔ص ۳

۵۲۔ الخیام۔ص ۲۶۔(تقدیم)

۵۳۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ص ۶۸/شورش کاشمیری۔ابوالکلام آزاد۔ص ۱۵

۵۴۔ الخیام۔ص ۲۶

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایک علمی خاندان۔ص ۲۲

۵۷۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ص ۶۸

۵۸۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ص ۶۹ (غلام رسول مہر کا مضمون)/ شورش کاشمیری۔ابوالکلام آزاد۔ص ۱۵

۵۹۔ کاروانِ خیال۔ص ۵۳ تا ۵۵

۶۰۔ ایک علمی خاندان۔ص ۲۲

۶۱۔ ابوالکلام آزاد: ادبی و شخصی مطالعہ۔ص ۶۹

۶۲۔ شورش کاشمیری۔ابوالکلام آزاد۔ص ۱۸

۶۳۔ درج الدرر البہیۃ فی ایمان الآباء والامہات المصطفویۃ۔مطبع توفیقی کلکتہ۔ صفحات ۲۰۷+۱۷۲

۶۴۔ خطوط ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام)۔ص ۴۰

۶۵۔ تحقیق (مجلّہ) پنجاب یونیورسٹی۔جلد ۲، شمارہ ۴۔ص ۹۵، ۹۶ (افضل حق قرشی کا مضمون بعنوان ''سراج الاخبار''، تیسری آخری قسط)

۶۶۔ ایک علمی خاندان۔ص ۶۹، ۲۰۰، ۲۳

۶۷۔ ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی۔ص ۱۲۲

۶۸۔ الخیام۔ص ۲۷ (تقدیم)

۶۹۔ چراغ حسن حسرت کا مضمون ''مولانا آجاد کلام'' مشمولہ ابوالکلام آزاد (مرتبہ عبداللہ بٹ) ص ۳۹

۷۰۔ شیر بہادر خان پنی، ڈاکٹر۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان، کراچی ۱۹۸۶۔ ص ۲۳

۷۱۔ عبداللہ بٹ (مرتب) ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰

۷۲۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳

۷۳۔ آزادیٔ ہند (ابوالکلام کی خود نوشت ''انڈیا ونز فریڈم'' کا ترجمہ تلخیص، تبویب استدراک از رئیس احمد جعفری)۔ مقبول اکیڈیمی لاہور۔ طبع ہشتم ۱۹۸۱۔ ص ۲۸۶

۷۴۔ الخیام۔ ص ۳۲ (تقدیم)

۷۵۔ ابوالکلام آزاد۔ غبارِ خاطر۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور۔ باراوّل ۱۹۸۸۔ ص ۳۲۹، ۳۳۰

۷۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۲

۷۷۔ وہابیت کے رد میں دس جلدوں کی اس کتاب کا نام ''نجم المبین لرجم الشیاطین'' تھا

۷۸۔ شورش کاشمیری، ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۵، ۱۶

۷۹۔ ایضاً۔ ص ۱۸، ۱۹

۸۰۔ شاہد، ایم اے (مرتب) مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ موڈرن پبلشرز، کراچی۔ ۱۹۸۱۔ ص ۶۴ (مضمون ''ایک پاک نہاد زندگی'' از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

۸۱۔ فاران (ماہنامہ) کراچی۔ مارچ ۱۹۶۰۔ بحوالہ مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ ص ۳۷

۸۲۔ عبدالوحید خاں۔ تقسیم ہند۔ مکتبۂ کارواں لاہور۔ طبع دوم اگست ۱۹۸۲۔ ص ۳۰

۸۳۔ مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ ص ۹۳ بحوالہ ''نقیبِ ملت'' لاہور/ الرشید (ماہنامہ) ساہیوال۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ (علی میاں سے انٹرویو)

۸۴۔ تذکرہ۔ مکتبۂ احباب لاہور۔ ص ۳۲

۸۵۔ ایضاً۔ ص ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱

۸۶۔ محمد عبدالشاہد خاں شروانی نے صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شروانی اور ابوالکلام آزاد کی خط کتابت جمع کر دی اور اس کے مقدمے میں دونوں کے بارے میں لکھا۔

''ایسا بھی کم ہوتا ہے کہ بڑا آدمی خاندان و حسب نسب کے اعتبار سے بھی بڑا ہو۔ ہمارے یہ دونوں بزرگ اس سعادت سے بھی بہرہ اندوز ہیں۔ خاندانی عزت و وجاہت، نسبی نجابت و شرافت اور حسبی علو و رفعت سے بھی مالا مال ہیں۔ ایک اگر نامور شروانی قوم کا فخرِ خاندان فرد ہے تو دوسرا صدیقی نسل کا چمکتا ہوا چراغ اور خاندانِ علما و صلحا کا بدرِ منیر۔ ایک کے اجدادِ کرام نسلاً بعد نسلٍ امارت و ریاست سے بہرہ ور رہے ہیں تو دوسرے کے آباءِ عظام مسند آراءِ علم و معرفت۔ ایک کے مورثِ اعلیٰ عمر خاں شروانی وغیرہ وزرا و امراءِ سلطنتِ ہند ہوئے ہیں تو دوسرے کے اسلاف قاضی القضاۃ مفتیٔ اعظم اور رکن المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز۔'' (کاروانِ خیال۔ ص ۲۹، ۳۰۔ مقدمہ)

۸۷۔ غبارِ خاطر۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۰

۸۸۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰، ۱۶۱

۸۹۔ مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۴، ۵

۹۰۔ عاشق حسین بٹالوی، ڈاکٹر۔ اقبال کے آخری دو سال۔ اقبال اکادمی پاکستان، کراچی۔ اشاعت اوّل ۱۹۶۱۔ ص ۴۶۷

۹۱۔ زمیندار (روزنامہ) لاہور، ۲ مارچ ۱۹۴۷۔ بحوالہ ''دبدبۂ سکندری'' رام پور۔ ۱۵ مارچ ۱۹۴۷۔ ص ۴

۹۲۔ ابوسلمان شاہجہانپوری (مرتب) مکاتیبِ ابوالکلام۔ اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔ ص ۱۱۰ (مدرسۂ اسلامیہ کلکتہ کا افتتاح ۱۳ دسمبر ۱۹۲۰ کو ہوا اور اس میں ابوالکلام نے جو تقریر کی وہ ساری کی ساری ''مہاتما جی'' کو خطاب کر کے کی گئی (مالک رام دہلوی (مرتب)۔ خطباتِ آزاد۔ حصہ اوّل۔ گلوب پبلشرز، لاہور۔ س ن۔ ص ۳۷، ۳۸، ۳۹)

۹۳۔ مسعود احمد، ڈاکٹر پروفیسر محمد۔ ''تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم''۔ رضا پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۱۳۔ بحوالہ اخبار ''مدینہ'' بجنور۔ ۹۔ اپریل ۱۹۲۰

۹۴۔ ایضاً۔ بحوالہ ''مدینہ'' بجنور۔ ۲۸۔ اگست ۱۹۲۰

۹۵۔ عبدالنبی کوکب، قاضی و محمد موسیٰ امرتسری، حکیم (مرتبین)۔ مقالات یوم رضا۔ حصہ

اوّل۔ لاہور۔ ص ۹۸،۹۹

۹۶۔ اہلِ حدیث (ہفت روزہ) امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹۔ ص ۱۲

۹۷۔ انور عارف (مرتب)۔ جامع الشواہد از مولانا ابوالکلام آزاد۔ بساطِ ادب لاہور۔ بارِ سوم ۱۹۸۰۔ صفحات ۱۴۴

۹۸۔ اہلحدیث امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹۔ ص ۱۲

۹۹۔ دبدبۂ سکندری (روزنامہ) رامپور۔ یکم نومبر ۱۹۲۰

۱۰۰۔ پیسہ اخبار (روزنامہ) لاہور۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۰۔ ص ۲

۱۰۱۔ ہمدم (روزنامہ) لکھنو۔ ۸ جون ۱۹۲۰

۱۰۲۔ سعادت (پندرہ روزہ) کمالیہ۔ یکم فروری ۱۹۴۲/۲۲ جون ۱۹۴۲

۱۰۳۔ احمد سرہندی، شیخ (مجدد الفِ ثانی)۔ مکتوبات مجددِ الفِ ثانی۔ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔ جلد اوّل۔ ص ۱۰۶

۱۰۴۔ یہ سیٹھ جان محمد چھوٹانی خلافت کمیٹی کے بانیوں میں سے تھے۔ طویل عرصے تک خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ بڑے مخلص اور ایثار پسند لیڈر مشہور تھے لیکن بعد میں انھوں نے خلافت کا سترہ لاکھ روپیہ (آج کے سترہ لاکھ نہیں) اپنے کاروبار میں لگالیا اور وہ ڈوب گیا (خطبۂ صدارت سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون ایم ایل اے منتخب صدر آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۳۷ بمقام لکھنو۔ قاضی محمد مجتبیٰ کوتانوی نے نیپئر روڈ کراچی سے شائع کیا۔ ص ۷، ۸

۱۰۵۔ زمیندار لاہور۔ یکم مئی ۱۹۲۰۔ ص ۲/ زمیندار۔ ۴۔ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۲/ زمیندار ۱۹۔ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۲/ پیسہ اخبار۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰۔ ص ۳/ پیسہ اخبار۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۵/ پیسہ اخبار۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۶/ نقوش۔ لاہور۔ آپ بیتی نمبر۔ جلد اوّل۔ جون ۱۹۶۴۔ ص ۳۶۹ (گاندھی کی آپ بیتی۔ ترجمہ از ڈاکٹر سیّد عابد حسین۔ تلخیص از خورشید مصطفیٰ رضوی)

۱۰۶۔ پیسہ اخبار۔ ۲۶ نومبر ۱۹۲۰۔ ص ۵، ۶

۱۰۷۔ ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن۔ جلد اوّل۔ ص ۱۶۳، ۱۶۴

۱۰۸۔ کاش البرنی۔ مسلم انڈیا۔ سٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور۔ ۱۹۴۲۔ ص ۱۳۵

۱۰۹۔ ابوالکلام آزاد۔ قولِ فیصل۔ ادبستان لاہور۔ بار دوم ۱۹۵۵۔ ص ۳۲

۱۱۰۔ ابوالکلام آزاد، مولانا۔ مسئلہ خلافت۔ بساطِ ادب لاہور۔ اشاعت اوّل ۱۹۸۷۔ ص ۲۹۹

۱۱۱۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا۔ معاصرین۔ گلوب پبلشرز لاہور (ترتیب: حکیم عبدالقوی دریابادی) س ن۔ ص ۱۸۵

۱۱۲۔ خطوطِ ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام) ص ۴۳، ۴۷

۱۱۳۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر۔ مسائلِ اقبال۔ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور۔ ایڈیشن اوّل ۱۹۷۴۔ ص ۲۲۵

۱۱۴۔ اجمل خاں، محمد (مرتب)۔ ملفوظاتِ آزاد۔ مکتبہ ماحول کراچی۔ پہلی بار۔ اکتوبر ۱۹۶۱۔ ص ۱۳۰

۱۱۵۔ عبدالمجید سالک۔ یارانِ کہن۔ مطبوعات چٹان لمیٹڈ، لاہور۔ ایڈیشن دوم ۱۹۶۷۔ ص ۵

۱۱۶۔ انیس شاہ جیلانی، سیّد (مرتّب) حیرت شملوی اکادمی، محمد آباد۔ ایڈیشن اوّل ۱۹۶۵۔ ص ۱۱، ۱۲، ۱۳

۱۱۷۔ ایضاً۔ ص ۱۵، ۱۶

۱۱۸۔ ایضاً۔ ص ۱۷، ۱۸، ۱۹

۱۱۹۔ ایضاً۔ ص ۲۰، ۲۱

۱۲۰۔ ایضاً۔ ص ۲۳

۱۲۱۔ دوست محمد شاہد (مؤلف) تاریخ احمدیت۔ جلد سوم۔ ادارۃ المصنفین ربوہ۔ ص ۴۰۹

۱۲۲۔ عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی۔ مطبوعات چٹان لاہور۔ اشاعت دوم۔ یکم جنوری ۱۹۶۳۔ ص ۳۳۰

۱۲۳۔ تاریخ احمدیت۔ جلد سوم۔ ص ۵۷۱، ۵۷۲ بحوالہ بدر۔ ۱۸ جون ۱۹۰۸۔ ص ۲، ۳

۱۲۴۔ ابوالکلام آزاد، مولانا۔ تصریحات آزاد۔ مکتبہ اشاعت ادب لاہور۔ بار اوّل دسمبر ۱۹۶۰۔ ص ۱۳۰، ۱۳۱

۱۲۵۔ ایضاً۔ ص ۱۶۴، ۱۶۵

۱۲۶۔ شورش کاشمیری۔ چہرے۔ مکتبہ ماحول کراچی۔ بارِ اوّل۔ جنوری ۱۹۶۵۔ ص ۳۹

۱۲۷۔ چٹان (ہفت روزہ) لاہور۔ ۶ مارچ ۱۹۶۱۔ ص ۱۵

۱۲۸۔ مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۴

۱۲۹۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۶، ۱۷

۱۳۰۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۲، ۲۳ ۔ ۱۳۱۔ ایضاً۔ ص ۲۳

۱۳۲۔ خطوطِ ابوالکلام آزاد۔ (مرتبہ مالک رام) ص ۴۰

۱۳۳۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۳، ۲۴ ۔ ۱۳۴۔ ایضاً۔ ص ۲۴

۱۳۵۔ ماحول۔ کراچی۔ آزاد نمبر۔ ستمبر ۱۹۶۰۔ ص ۱۰۲

۱۳۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۳۹

۱۳۷۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۹

۱۳۸۔ ارمغانِ آزاد۔ جلد اوّل، مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری۔ آزاد اکیڈمی، کراچی۔ اشاعت ثانی ۲۲ فروری ۱۹۷۸۔ ص ۲۹

۱۳۹۔ غلام رسول مہر۔ نقشِ آزاد۔ کتاب منزل لاہور۔ ۱۹۵۸۔ ص ۳۲۲

۱۴۰۔ عبدالوحید خاں۔ تقسیم ہند۔ ص ۳۲

۱۴۱۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۳۰ تا ۳۵

۱۴۲۔ برِصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۲ تا ۸۶۵

۱۴۳۔ الاحزاب۔ ۳۳:۷۲ ۔ ۱۴۴۔ بنی اسرائیل۔ ۱۷:۷۰

۱۴۵۔ البقرہ۔ ۲:۳۰ ۔ ۱۴۶۔ النور۔ ۲۴:۳۵

۱۴۷۔ مُسندِ احمد ۔ ۱۴۸۔ الاعراف۔ ۷:۱۷۲

۱۴۹۔ الذاریات۔ ۵۱:۵۶ ۔ ۱۵۰۔ آل عمران۔ ۳:۲۶

۱۵۰۔ آل عمران۔ ۳:۳۱ ۔ ۱۵۲۔ والضحیٰ۔ ۹۲:۶

۱۵۳۔ الفتح۔ ۴۸:۱۰ ۔ ۱۵۴۔ البلد۔ ۹۰:۲۰

☆☆☆☆☆

ماخذ و مراجع

قرآن مجید

البقرہ۔ ۲:۳۰

آل عمران۔ ۳:۲۶/۳:۳۱

بنی اسرائیل۔ ۱۷:۷۰

النور۔ ۲۴:۳۵

الاحزاب۔ ۳۳:۷۲

الفتح۔ ۴۸:۱۰

الذاریات۔ ۵۱:۵۶

البلد۔ ۹۰:۲۰

والضحیٰ۔ ۹۲:۵

کتب

آزادیٔ ہند۔ (''انڈیا ونز فریڈم'' کا ترجمہ از رئیس احمد جعفری)

ابوالکلام آزاد۔ شورش کاشمیری

ابوالکلام آزاد۔ (مرتبہ عبداللہ بٹ)

ابوالکلام آزاد۔ ادبی و شخصی مطالعہ (مرتبہ افضل حق قرشی)

ابوالکلام کی کہانی، خود ان کی زبانی۔ عبدالرزاق ملیح آبادی

ارمغانِ آزاد۔ (مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری)

اسباب السرور لاصحاب الخیور۔ خیرالدین دہلوی

اقبال کے آخری دو سال۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی

الخیام۔ ابوالنصر غلام یٰسین آہ

السنۃ الضروریہ فی المعارف الخیوریہ۔ خیرالدین دہلوی

انتخاب ''الہلال''۔ ابوالکلام آزاد

ایک علمی خاندان۔ سید شفقت رضوی

بالِ جبریل۔ علامہ اقبال

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی

تاریخِ احمدیت۔ جلد سوم۔ مرتبہ دوست محمد شاہد

تاریخ الامت۔ جلد ہفتم۔ محمد اسلم جیراجپوری

تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

تذکرہ۔ ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن۔ ابوالکلام آزاد

تصریحاتِ آزاد۔ ابوالکلام آزاد

تقسیم ہند۔ عبدالوحید خاں

جوہر تقویم۔ ضیاء الدین لاہوری

چہرے۔ شورش کاشمیری

خطباتِ آزاد۔ مرتبہ مالک رام

خطبۂ صدارت سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون

خطوط ابوالکلام آزاد۔ مرتبہ مالک رام

خیر الامصار مدینۃ الانصار۔ خیر الدین دہلوی

درج الدرر البهية فی ایمان الآباء والامهات المصطفویه۔ خیر الدین دہلوی

سفرنامہ حجاز (تاریخ الحرمین)۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

غبارِ خاطر۔ ابوالکلام آزاد

قولِ فیصل۔ ابوالکلام آزاد

کاروانِ خیال۔ ابوالکلام آزاد

کلیاتِ اقبال (اردو)۔ علامہ اقبال

مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد مع خطبۂ صدارت

مسائلِ اقبال۔ ڈاکٹر سید عبداللہ

مسجدِ نبوی ﷺ۔ محمد معراج الاسلام

مسلم انڈیا۔ کاش البرنی

مسئلہ خلافت۔ ابوالکلام آزاد

معاصرین۔ عبدالماجد دریابادی

مقالات یوم رضا (مرتبہ قاضی عبدالنبی کوکب و حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

مکاتیب ابوالکلام۔ مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری

مکتوبات مجدد الف ثانی۔ جلد اول

مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ سید قاسم محمود

ملفوظاتِ آزاد۔ مرتبہ محمد اجمل خاں

مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی

مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ مرتبہ ایم اے شاہد

نقشِ آزاد۔ ابوالکلام آزاد

نوازش نامے۔ مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی

یارانِ کہن۔ عبدالمجید سالک

رسائل و جرائد

الہلال۔ ۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲

اہلِ حدیث (ہفت روزہ) امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹

پاکستان اسٹیٹ آئل ریویو۔ کراچی۔ خصوصی اشاعت "حرم سے حرم تک"

پیسہ اخبار (روزنامہ) لاہور۔ ۳۰۔ اپریل ۱۹۲۰

پیسہ اخبار۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۲۰

پیسہ اخبار۔ ۲۸۔ اگست ۱۹۲۰

پیسہ اخبار۔ ۲۶ نومبر ۱۹۲۰

تحقیق (مجلہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جلد ۲۔ شمارہ ۴

چٹان (ہفت روزہ) لاہور۔ ۶ مارچ ۱۹۶۱

دبدبۂ سکندری' رامپور۔ یکم نومبر ۱۹۲۰

دبدبۂ سکندری۔ ۱۵ مارچ ۱۹۴۷

دنیائے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۳) کراچی۔ مارچ ۲۰۰۴۔ نعت نمبر

زمیندار (روزنامہ) لاہور۔ یکم مئی ۱۹۲۰

زمیندار۔ ۴۔ اگست ۱۹۲۰

زمیندار۔ ۱۹۔ اگست ۱۹۲۰

سعادت (پندرہ روزہ) کمالیہ۔ یکم فروری ۱۹۴۲

سعادت۔ ۲۲ جون ۱۹۴۲

ماحول کراچی۔ آزاد نمبر۔ ستمبر ۱۹۶۰

نقوش لاہور۔ آپ بیتی نمبر۔ جلد اول۔ جون ۱۹۶۴

ہمدم لکھنؤ۔ ۸ جون ۱۹۲۰

''شاعرِ نعت: راجا رشید محمود''

پر روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کا تبصرہ (تبصرہ نگار: ڈاکٹر انور سدید)

راجا رشید محمود اردو ادب کی ایک جامع الحیثیات شخصیت ہیں' وہ صاحبِ طرز انشا پرداز ہونے کے علاوہ اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں۔ اہم بات یہ کہ ان کی شاعری کا رخ غزل اور نظم سے نعت وحمد کی طرف مڑ گیا تو ان کی تاریخ نگاری کے وصف نے ''سیرت نگاری'' کی صورت اختیار کی اور ان کے فکر ونظر کے متعدد زاویے ان کی خطابت میں رونما ہوئے۔ ان کی انفرادی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ماہنامہ ''نعت'' کا اجراء کیا جو گزشتہ ربع صدی سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس تمام عرصے میں راجا رشید محمود کے اپنے اظہار کا آتش فشاں بھی اپنا تخلیقی تنقیدی اور ادبی لاوا اگلتا رہا اور ان کی نعتوں کے مجموعے چھپتے رہے۔ بقول شخصے ''وہ چمنِ دیارِ مصطفےٰ ﷺ کا ایسا عندلیب ہے جو ہر لمحہ وجہِ تخلیقِ عالمین ﷺ کے گن گاتا ہے' ان کی غلامی کا دم بھرتا ہے' ان کی عظمت کا راگ الاپتا ہے' اور ان کی ذاتِ گرامی پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے''۔ زیرِ نظر کتاب جس کا نام ''شاعرِ نعت...... راجا رشید محمود'' ہے ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ نے پیش کی ہے۔ یہ مقالہ جو پانچ صد سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے' راجا رشید محمود کی نعت کے متعدد زاویوں کی تحقیق کے سلسلے میں لکھا گیا ہے لیکن اس میں فوقیت تجزیے کو دی گئی ہے چنانچہ اس مقالے میں راجا صاحب کے سولہ نعتیہ مجموعوں کا فاضلانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس کے زاویے روحانی بھی ہیں' ادبی بھی اور فنی بھی۔ مقالے کے آغاز میں شاعرِ نعت کی حیثیت میں راجا رشید محمود کی تخصصات اور اولیات کا اجمال پیش کیا گیا ہے۔ ان کی نعت کے موضوعات کی تفصیل 36 ابواب پر محیط ہے اور اس میں حضور ﷺ کی تعلیمات' سیرتِ طیبہ اور ذکرِ حرمین شریفین کے علاوہ متعدد دیگر زاویے موجود ہیں۔ فنی زاویوں کا احاطہ زبان وبیان کے باب میں پیش کیا گیا ہے اور اسی باب میں فکری محاسن کا تذکرہ بھی سما گیا ہے۔ مجموعی طور پر راجا رشید محمود کی عقیدتِ نبوی ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کے قرینوں پر یہ ایک مثالی تصنیف ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ میں نعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دینے پر راجا رشید محمود کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ کی تحسین بھی لازم ہے کہ انہوں نے یہ کتاب گہری ژرف نگہی' علمی بصارت اور دینی بصیرت سے تالیف کی۔ اس کتاب کی ضخامت 536 صفحات اور قیمت 200 روپے ہے' ملنے کا پتا...... الجلیل پبلشرز' اردو بازار لاہور''۔

(نوائے وقت۔ سنڈے میگزین۔ 16 جنوری 2005۔ صفحہ 25)

کتابِ مستطاب

مناقبِ حضرت غوث الاعظمؒ

مرتّب: مکرمی راجا رشید محمود صاحب۔ مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ ''نعت'' لاہور

صفحات۔ ۳۶۰

بہ الفاظ بحسابِ ابجد ''جہانِ میراں''

''سبیلِ انوار''

سالِ اشاعت: ۱۴۲۵ھ

بہ الفاظ بحسابِ ابجد ''مظہرِ آنِ مصطفیٰ''

''زیبِ نائبِ خیر البشر''

''چراغِ مجلسِ حبیب اللہ''

سالِ اشاعت: ۲۰۰۴ء

بہ الفاظ بحسابِ ابجد ''حُسن وجمالِ غوثِ مکرم''

''فروغِ شمعِ صدق وحق''

قطعۂ تاریخ

تو نے دی ترتیب اے مردِ رشید
یہ کتاب عمدہ تریں' اعلیٰ تریں

اِک گلستاں' جس کا ہے ہر پھول خوب
اِک صدف جس کا ہے ہر گوہر ثمیں

یہ مناقب کا جہانِ دلپذیر
یہ محامد کی ہے دُنیائے حسیں

اُن کا ذکرِ خیر ہے اس میں، جو ہیں
غوثِ اعظم، صدرِ بزمِ عارفیں

ہیں خصائص جن کے بے حصر و حساب
حد کوئی جن کے فضائل کی نہیں

جملہ اغواثِ جہاں، اقطابِ دہر
جن کے خوانِ فیض کے ہیں ریزہ چیں

خسروِ اقلیمِ علم و معرفت
تاجدارِ کشورِ صدق و یقیں

مظہرِ شانِ نبی ﷺ و بوترابؓ
مہرِ اوجِ حق، مہِ اجلالِ دیں

جو ہیں دلدادہ شہِ گیلاں کے
اس سے حظ اندوز ہوں گے بالیقیں

اس کی طارقؔ نے کہی تاریخ چاپ
اللہ اللہ ''عزّ و شانِ غوثِ دیں''

ء ۲ ۰ ۰ ۴

نتیجۂ فکر

''محتاجِ رحمتِ شاہِ حجاز'' (۱۴۲۵ھ)

محمد عبدالقیوم طارقؔ سلطانپوری

حسن ابدال

اخبارِ نعت

سیّدِ ہجویرؒ نعت کونسل

1- چوتھے سال کا پہلا طرحی نعتیہ مشاعرہ ۶ جنوری ۲۰۰۵ کو نمازِ مغرب کے بعد چوپال (ناصر باغ، لاہور) میں عبدالحمید قیصرؔ کی صدارت میں ہوا۔ عظمت شیخ (عکاسِ حرمین شریفین) مہمانِ خصوصی، محمد شعیب مرزا مدیر ''پھول''، مہمانِ اعزاز اور غضنفر علی جاویدؔ چشتی (گجرات) مہمان شاعر کے طور پر مشاعرے میں شریک ہوئے۔ عبدالحمید قیصر کی طبیعت ناساز ہوگئی تو ریاض احمد مفتی (ایڈووکیٹ گجرات) سے مسندِ صدارت کو رونق بخشنے کے لیے کہا گیا۔ قاری غلام زبیر نازشؔ (گوجرانوالا) نے تلاوتِ قرآنِ مجید کی اور محمد ثناء اللہ بٹ نے نعت خوانی کی سعادت حاصل کی۔ حسبِ روایت سیدِ ہجویرؒ نعت کونسل کے چیئرمین راجا رشید محمودؔ (مدیرِ ''نعت'') نے نظامت کی۔

شوکتؔ ہاشمی کے ایک مجموعۂ نعت ''بہارِ طیّب و طاہر'' سے درجِ ذیل مصرع، طرح کے لیے دیا گیا تھا:

''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

مشاعرے میں صدرِ اول عبدالحمید قیصرؔ، مہمان شاعر غضنفر علی جاویدؔ چشتی (گجرات) اور ناظمِ مشاعرہ راجا رشید محمودؔ کے علاوہ جن شعراءِ کرام نے اپنی نعتیں خود آقا حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیں، ان میں صادق جمیلؔ، شہزادؔ مجددی، محمد بشیر رزمیؔ، رفیع الدین ذکی قریشی، صاحبزادہ محمد محب اللہ نوریؔ (بصیر پور)، محمد یونس حسرتؔ امرتسری، بشیرؔ رحمانی، ضیاؔ نیرؔ، اکرم سحرؔ فارانی (کاموکنے)، حافظ محمد صادق، رضا عباس رضاؔ، قاری غلام زبیر نازشؔ (گوجرانوالا)، محمد ابراہیم عاجزؔ قادری، طفیل اعظمیؔ، منیر حسین عادلؔ (سمندری)، ایوب زخمیؔ، خواجہ محمد سلطان کلیمؔ، شیخ صدیق ظفرؔ (جلالپور جٹاں)، سید محمد اسلام شاہ، اشفاق فلکؔ، حنیف آغازؔ اور عمرانؔ صابری شامل ہیں۔ عبدالقیوم خاں طارقؔ سلطانپوری (حسن ابدال)، صابرؔ براری (کراچی)، تنویر پھولؔ (کراچی)، صدیقؔ فتحپوری (کراچی)، محمد حنیف نازشؔ قادری (کاموکنے)، پروفیسر فیض رسول فیضانؔ (گوجرانوالا)، محبت خاں بنگشؔ (کوہاٹ)، روشن دین کیفیؔ (سمندری)، محمد اشرف شاکرؔ (سمندری) اور فرزند علی شوق ایڈووکیٹ (کاموکنے) کی نعتیں پڑھ کر سنائی گئیں۔ مشاعرے کے اختتام پر صدرِ دوم ریاض احمد مفتی (گجرات) اور عظمت شیخ (مہمانِ خصوصی) نے خطاب کیا۔ مفتی صاحب نے دعا کرائی۔

گرہ کی یہ صورتیں سامنے آئیں:

شوکت ہاشمی: وہی شاداب رکھتے ہیں، وہی سیراب رکھتے ہیں
قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے

عبدالحمید قیصر: عبادت سے، نہ حکمت سے، نہ مال و زر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

غضنفر علی جاوِد چشتی: ہے درمانِ غمِ بردہ جہاں سرکار ﷺ کی نسبت
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

صادق جمیل: نہ تخت و تاج میں مضمر، نہ مال و زر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

محمد حنیف نازش قادری: قرارِ زندگی غیروں کے در سے مانگنے والے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

طارق سلطانپوری: قرارِ زندگانی کی تمنا ہے جنھیں، سن لیں
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

فیض رسول فیضان: نشاطِ جاودانی دین ہے ذکرِ پیمبر ﷺ کی
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

صابر براری: سکونِ دل، سکونِ جاں انھی کے در سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

شہزاد مجددی: شہادت سورۂ احزاب میں ہے اِس عقیدے کی
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

غلام زبیر نازش: نہ تاج و تختِ شاہی سے، نہ مال و زر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

حافظ محمد صادق: حشم سے، جاہ و رُتبہ سے، نہ مال و زر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

محب اللہ نوری: ”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“
وقارِ جاودانی الفتِ سرور ﷺ سے ملتا ہے

یونس حسرت امرتسری: ”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“
غرض جو کچھ بھی ملتا ہے، انھی کے در سے ملتا ہے

تنویر پھول: سکونِ قلبِ مسلم کو نبی ﷺ کے در سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

ضیا نیر: ”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“
ہمیں مژدہ عطا کا خیر کے پیکر ﷺ سے ملتا ہے

اکرم سحر فارانی: خدا کی یاد میں پنہاں نشاطِ روح کے جلوے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

صدیق فتحپوری: سکون قلب ذکرِ خالق اکبر سے ملتا ہے
”قرار زندگانی لطف پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

روشن دین کیفی: قرار زندگی ہے جستجو ہر فرد کی لیکن
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

عاجز قادری: ”قرارِ زندگانی لطفِ پیمبر ﷺ سے ملتا ہے“
انھی کے فیض و رحمت سے مقدر جگمگاتا ہے

محبت خاں بنگش: نہ دُنیا سے، نہ دولت سے، نہ سیم و زر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

محمد اشرف شاکر: نہ تخت و تاج سے ممکن، نہ مال و زر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

محمد طفیل اعظمی: پتا ذکرِ محمد ﷺ کا تو چشمِ تر سے ملتا ہے
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

منیر حسین عادل: بغیر لطفِ آقا ﷺ زندگی بے کار ہے عادل
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“

سید محمد اسلام شاہ: غمِ جاناں غمِ دوراں عذابِ زندگانی ہیں
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے“
زمانے بھر میں کیفِ جاودانی ڈھونڈنے والو
”قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر سے ملتا ہے“۔

شیخ صدیق ظفر:
نہ مال و دولتِ دُنیا' نہ کرّوفر سے ملتا ہے
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

محمد سلطان کلیم:
کلیم اس عالمِ ناسوت میں تم ڈھونڈتے کیا ہو
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

راجا رشید محمود:
یہی کہتا ہے میری زندگی کا ایک اک لمحہ
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''
نہ ہو لطفِ پیمبر ﷺ تو قرارِ زندگانی کیا
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

2- سیدِ ہجویر نعت کونسل کے زیرِ اہتمام چوتھے سال کا دوسرا ماہانہ طرحی نعتیہ مشاعرہ ان شاء اللہ تعالیٰ ۳ فروری ۲۰۰۵ کو نمازِ مغرب کے بعد چوپال (ناصر باغ' لاہور) میں ہوگا۔ صاحبزادہ فیض الحسن کا یہ مصرع' طرح کے لیے دیا گیا ہے:

''ہے وقفِ عام مائدۂ خوانِ مصطفیٰ ﷺ''

☆☆☆☆☆

Monthly "Naat" Lahore
LRL 157